علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

رجب المرجب فروری 2023

ماہ نامہ

# ذوق شوق

کراچی

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

ایک بچہ/بچی کو حفظ کروائیں

"قرآنِ کریم کے نور کو پھیلانے میں ساتھ دیں"

ایک بچہ/بچی کو میٹرک کروائیں

# کوئی بچہ/بچی تعلیم سے محروم نہ رہے

اپنے بچے کی تعلیم وتربیت کے ساتھ دوسرے بچوں کی بھی فکر کیجیے۔
قوموں کے عروج وزوال میں ہمیشہ تعلیم وتربیت کا اہم کردار رہا ہے، جو قومیں علم وہنر کو اپناتی ہیں وہ ترقی کرتی ہیں۔
آیئے جہالت کو ختم کرنے اور معاشرہ سنوارنے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔
اللہ کی دی ہوئی توفیق سے کوشش کریں کہ ایک غریب والد کے بچے/بچی کو حافظ، عالم بنائیں یا میٹرک کروائیں۔
جب ہم اس دنیا سے چلے جائیں گے تو یہ ہمارے لیے صدقہ جاریہ ہوگا۔

## حفظ

☐ ماہانہ ہدیہ = 4,700　☐ پورے سال کا کل ہدیہ = 56,400
☐ ایک حصہ = 14,100 (اگر آپ سال کی مکمل رقم نہیں دے سکتے تو ایک حصہ میں بھی تعاون فرما سکتے ہیں۔)

## درسِ نظامی (عالم)

☐ ماہانہ ہدیہ = 4,500　☐ پورے سال کا کل ہدیہ = 54,000
☐ ایک حصہ = 13,500 (اگر آپ سال کی مکمل رقم نہیں دے سکتے تو ایک حصہ میں بھی تعاون فرما سکتے ہیں۔)

## اسکول

☐ ماہانہ ٹیوشن فیس = 5,100　☐ پورے سال کی کل ٹیوشن فیس = 61,200
☐ ایک حصہ = 15,300 (اگر آپ سال کی مکمل رقم نہیں دے سکتے تو ایک حصہ میں بھی تعاون فرما سکتے ہیں۔)

تعاون کی مد میں آپ کی طرف سے عطیہ، زکوٰۃ اور نفلی صدقہ بھی وصول کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مال کو قبول فرمائے اور برکت عطا فرمائے۔ آمین

وضاحت: بسا اوقات ایک طالبِ علم کے والد/سرپرست مکمل خرچہ نہیں دے سکتے تو آپ کا دیا ہوا ایک اسپانسر 2 یا 3 بچوں کا بھی سہارا بن سکتا ہے۔
حسابات ٹھیک رہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ رسید ضرور حاصل کریں۔ رابطہ نمبر ہیڈ آفس: 0323-8007019, 0323-8007027

### بینک اکاؤنٹس کی تفصیلات

**برائے مدرسہ**

| عطیات کے لیے: | زکوٰۃ کے لیے: |
|---|---|
| Bait-ul-Ilm Trust (Donation) | Bait-ul-Ilm Trust (Zakat) |
| 0179-0101662095 | 0179-0101662094 |
| Meezan Bank (Soldier Bazar) | Meezan Bank (Soldier Bazar) |

**برائے اسکول/مدرسہ**

| عطیات کے لیے: | زکوٰۃ کے لیے: |
|---|---|
| Al-Badar Al Barakah School | Bait-ul-Ilm Educational Welfare Society |
| 01790103197698 | 01790106776645 |
| Meezan Bank (Soldier Bazar) | Meezan Bank (Soldier Bazar) |

نوٹ:
بیت العلم ایجوکیشن ویلفیئر سوسائٹی
( NTN:8966027 کا حامل) ایک غیر منافع بخش تنظیم ہے،
جس کے پاس ٹرسٹ/فلاحی ادارے/غیر منافع بخش تنظیم
برائے 100C کے تحت ٹیکس کریڈٹ ہے۔
لہٰذا ادارہ میں رقم جمع کروا کر آپ ٹیکس میں استثنیٰ حاصل کر سکتے ہیں۔

Note:
BAIT-UL-ILM EDUCATIONAL WELFARE SOCIETY (holding NTN: 8966027) is a Non-Profit organization, having Tax Credit for Trust / Welfare Institution / Non-Profit Organization u/s 100C.

So by depositing money in the institution you can get tax exemption.

## پیغامِ الٰہی جلّ جلالہٗ

عبداللہ بن مسعود

(مفہوم آیت سورۂ اعراف:۶۱)

''حضرت نوح علیہ السلام نے کہا:''اے میری قوم کے لوگو! میں گمراہ نہیں ہوں، بل کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کا پیغام بر ہوں۔''

عزیز دوستو! یہ حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو جواب ہے جو اُنھوں نے اس وقت دیا جب انھوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا تو قوم کے سرداروں نے آپ کو بُرا بھلا کہا اور گمراہ ہونے کا جھوٹا الزام لگایا۔ حضرتِ نوح علیہ السلام نے نہایت نرمی سے پانچ جواب دیے، جن میں سے چند یہ ہیں: ❶ اے میری قوم! میں گمراہ نہیں ہوں، بل کہ میں رب العالمین کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ ❷ میں تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔ ❸ میں تمھارا بھلا چاہتا ہوں۔

اسی طرح جب حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی تو اُن کی قوم کے سرداروں نے بھی انھیں بُرا بھلا کہا اور اُن پر بے وقوف ہونے اور جھوٹا ہونے کے اِلزام لگائے۔ اِن کے جواب میں حضرت ہود علیہ السلام نے بھی بڑی نرمی کے ساتھ چھے باتیں قوم کو سمجھائیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں: ❶ اے میری قوم! میں بے وقوف نہیں ہوں، بل کہ میں رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ ❷ میں اپنے پروردگار کے پیغامات تم تک پہنچاتا ہوں۔ ❸ میں تمھارا ایسا خیر خواہ ہوں جس پر تم اطمینان کر سکتے ہو۔

عزیز ساتھیو! غور فرمائیے، حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ہود علیہما السلام کو کیسے سخت جملے کہے گئے اور اُنھوں نے کتنے نرم الفاظ میں جواب دیا۔ ان جوابات کو دوبارہ پڑھیں اور یہ نیت کریں کہ ہم بھی بُرا بھلا کہنے، دل دکھانے والے الفاظ اور سخت جملوں سے اپنی زبان کو محفوظ رکھیں گے، سخت بات کے جواب میں بھی نرم بات کہیں گے اور یاد رکھیں گے کہ یہی انبیائے کرام علیہم السلام کا طریقہ ہے۔

## پیغامِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

راشد علی نواب شاہی

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

''یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ! ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ۔''

(ترمذی، ۳۵۲۲)

اس مبارک دعا کا مفہوم ہے:''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر اِستقامت نصیب فرما۔''

عزیز ساتھیو! یہ بہت مبارک دعا ہے۔ لوگوں کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی امیری ہے تو کبھی غریبی، کبھی صحت تو کبھی بیماری، حالات کی وجہ سے انسان میں تبدیلی آجاتی ہے۔

کچھ لوگ اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں اور لوگوں تک غلط باتیں پہنچاتے ہیں۔ ایسی باتوں کو سُن کر آدمی پریشان ہوتا ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ ایسی باتوں سے بعض اوقات انسان کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

اسی طرح کسی کے پاس پہلے مال و دولت تھی اور اَب غریب ہو گیا تو غربت کی وجہ سے بھی بعض مرتبہ انسان کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو یہ دعا مانگنی چاہیے

عزیز ساتھیو! اپنے دین پر اِستقامت بہت بڑی دولت اور نعمت ہے۔ ہم یہ دعا مانگتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم اپنے دین پر اِستقامت کے ساتھ عمل کرتے رہیں گے۔ ہمیں کوئی بھی چیز دین کے راستے سے بھٹکا کر غافل نہیں کر سکے گی، ان شاء اللہ!

لہٰذا اِس دعا کو یاد کیجیے اور آج سے روزانہ کم از کم ایک مرتبہ یہ دعا ضرور پڑھنے کا معمول بنائیے۔

اس کے ساتھ ساتھ اپنے دوستوں اور رشتے داروں کو بھی بتائیے۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

# ذوق و شوق

کراچی

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

تاریخ: 26-12-2022

محترم المقام قابلِ صد احترام حضرت شیخ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلکم العالی!

سابق نائب صدر، جامعہ دار العلوم کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ مزاج بعافیت ہوں گے۔

عرض یہ ہے کہ بیت العلم ٹرسٹ کے ماتحت مسلمان بچے/بچیوں کی دینی، اخلاقی اور تعلیمی تربیت و ترقی کے لیے قریباً ساڑھے سولہ پہلے ایک ماہ نامے کا ''ذوق وشوق'' کے عنوان سے اجرا کیا جا چکا ہے۔ الحمد للہ! اب بھی اس ماہ نامے کی اشاعت مسلسل جاری ہے۔

ابتدا سے ہی اس رسالے کو حضرت والا کے برادر معظم حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی حاصل تھی۔ (اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کامل مغفرت فرمائے۔ آمین!)

اب آں جناب سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ مذکورہ ماہ نامہ ''ذوق وشوق'' کی سرپرستی قبول فرمائیں تو بہت ہی شفقت وعنایت ہوگی اور ہم آں جناب کے بے حد ممنون ہوں گے۔ جزاکم اللہ خیرا!

فقط والسلام

احباب ماہ نامہ ''ذوق وشوق''

بندہ کم علمی اور مصروفیات کے باوجود انکار نہیں۔

۸-۶-۲۳

خط وکتابت کا پتا:

ماہ نامہ ذوق وشوق، پی۔او۔بکس نمبر: 17894، گلشن اقبال، کراچی

پوسٹ کوڈ: 75300

واٹس ایپ نمبر: 0324-2028753

ای میل ایڈریس: zouqshouq@hotmail.com

فیس بک: ذوق شوق-zouq shouq

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

کراچی

زیرِ سرپرستی:

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

۱۴۴۴ ہجری | جلد: 18

شمارہ: 02

ناشر ~~~ محمد عارف رشید




اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاحِ امت کے لیے وقف ہے۔

**قیمت عام شمارہ**
**120** روپے

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک
**1500/=**

بذریعہ عام ڈاک
**1250/=**

ماہ نامہ ذوق و شوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمالیں۔


## خط و کتابت کا پتہ:

ماہ نامہ ذوق و شوق، پی۔ او بکس نمبر 17984 پوسٹ کوڈ 75300، گلشن اقبال، کراچی

Email: zouqshouq@hotmail.com

zouq shouq/ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

: 0324-2028753, 0320-1292426

دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00
دوپہر 2:30 تا 6:00

0320-1292426 : JazzCash

(نوٹ: جازکیش اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0320-1292426) پر واٹس ایپ کردیں۔)



| صفحہ | عنوان | مصنف |
|---|---|---|
| 05 | سیرت کہانی ۔ ۴۴ | عبدالعزیز |
| 08 | بلاعنوان ۔ ۱۸۶ | صائمہ نور |
| 11 | کشمیر | رانا محمد شاہد |
| 14 | انو منو کا دسترخوان ۔ ۷ | انعم توصیف |
| 17 | مسکرادو | تنزیلہ احمد |
| 19 | سوال آدھا، جواب آدھا ۔ ۱۴۱ (کھیل) | الطاف حسین |
| 20 | ایمان کا تقاضا | ام نسیبہ |
| 21 | ذوقِ معلومات ۔ ۸۵ (کھیل) | ابو غازی محمد |
| 22 | اللہ کی نعمت ہیں پودے (نظم) | بنت مسعود احمد |
| 23 | مانی سدھر گیا | بیگم ناجیہ شعیب احمد |
| 25 | حفاظتی بند (ادب سیریز ۔ ۴) | عمارہ فہیم |
| 29 | دو دوست | حُسن آرا |
| 33 | کلونجی (مسالا) | سعد علی چھیپا |
| 34 | آزاد کشمیر ہوگا (نظم) | اثر جون پوری |
| 35 | اچھی والی نماز | مریم شہزاد |
| 37 | شکر پارے | قارئین |
| 38 | فاتح کون ؟ (۱۹) | نذیر انبالوی |
| 42 | مور پنکھ | حمیرا علیم |
| 43 | ننھے لکھاری | قارئین |
| 46 | البدر کے لکھاری | البدر ہائیر سیکنڈری اسکول کے طلبہ |
| 48 | میرا بھالو (نظم) | ایوب اختر |
| 49 | قوم کا معمار | مفتی محمد معاویہ اسماعیل |



پرنٹر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیمی و تربیتی ترقی و اصلاح کی خاطر ابن حسن پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔



**سالانہ خریداری بذریعہ میزان بینک اکاؤنٹ:**

اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm trust zouq o shouq

اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456، سولجر بازار برانچ، کراچی

(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0324-2028753) پر واٹس ایپ کردیں۔)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔

دوستو! کیا آپ کو معلوم ہے سب سے پہلے قلم سے لکھنا کس نے ایجاد کیا؟

چلیں، آج آپ کو اِن قیمتی معلومات سے آگاہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم پیغمبر ہیں، جن کا نام ہے، حضرت ادریس علیہ السلام۔ انھوں نے سب سے پہلے قلم سے لکھنا ایجاد کیا۔

جی ہاں عزیزو! یہ قلم سے لکھنے کی نعمت ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعے عطا فرمائی اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی میں بھی اِس قلم کا ذکر فرمایا۔

تو کیا خیال ہے، قلم کو اَپنا محبوب بنائیں گے نا!

تو پھر دیر کس بات کی، اٹھایئے قلم، لکھیے اور لکھتے جایئے۔

جی ہاں، اپنی روزانہ کی ڈائری لکھیے۔ دن بھر کے کام لکھیے، اپنا کوئی واقعہ لکھیے، بس لکھیے اور لکھتے رہیے، ایک نہ ایک دن آپ بھی بڑے لکھاری بن جائیں گے۔ آپ کو لکھے بغیر چین نہیں آئے گا۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ جناب! ہمیں لکھنا تو آتا نہیں اور آپ کہہ رہے ہیں کہ لکھیں، تو کیسے لکھیں؟

آیئے، ہم آپ کو لکھاری بننے کے دو گُر بتاتے ہیں: ❶ پڑھنا اور مطالعہ کرنا۔ ❷ لکھنا۔

بس آپ ان دو باتوں کو اپنے اوپر لازم کرلیں۔ لکھنے سے ہی لکھنا آتا ہے۔ روزانہ تین سطریں پابندی سے لکھنا شروع کردیں اور ساتھ ہی خوب پڑھیں بھی، اچھی کہانیاں، دل چسپ واقعات اور جو اچھی کتاب ملے، اُسے پڑھ ڈالیں۔

کیا خیال ہے؟ پھر شروع کررہے ہیں نا آپ یہ کام!؟

والسلام

# سیرت کہانی

عبدالعزیز

۴۴

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی اور سیرت کے اہم واقعات پر مبنی ایک پیارا سلسلہ۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی یہ ارشاد فرما دیا تھا کہ بنی ہاشم اور دوسرے قبیلوں کے کچھ لوگ شوق سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے بدر کے میدان میں نہیں آئے، بل کہ زبردستی لائے گئے ہیں، لہٰذا اُنھیں قتل نہ کیا جائے، ہمیں ان سے جنگ کی ضرورت نہیں، لہٰذا تم میں سے جو شخص ابوالبختری بن ہشام اور عباس بن عبدالمطلب کو دیکھے تو اُنھیں قتل نہ کرے، اسی لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بجائے قتل کے ان دونوں کی گرفتاری چاہتے تھے۔''

حضرت مجذر بن زیاد انصاری رضی اللہ عنہ نے جب ابوالبختری کو دیکھا تو کہا:

''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں تمھارے قتل سے روکا ہے۔''

ابوالبختری کے ساتھ اس کا ایک دوست بھی تھا، جو مکے سے اس کے ساتھ آیا تھا، جس کا نام جنادہ بن ملیحہ تھا۔ ابوالبختری نے کہا:

''میرے دوست کے لیے بھی قتل سے منع کیا ہے؟''

حضرت مجذر بن زیاد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بالکل بھی نہیں، اللہ کی قسم! ہم تمھارے دوست کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں صرف تمھارے بارے میں منع کیا ہے۔''

ابوالبختری نے کہا:

''خدا کی قسم! یہ میرے لیے ممکن نہیں کہ میں اپنے دوست کو چھوڑ دوں، کل کو مکے کی عورتیں مجھے طعنہ دیں گی کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے دوست کو چھوڑ دیا۔''

یہ کہہ کر اَبوالبختری مقابلے پر آیا تو حضرت مجذر بن زیاد رضی اللہ عنہ کی تلوار نے اس کا کام تمام کر دیا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میں نے پوری کوشش کی کہ ابوالبختری قید ہو جائے اور میں اسے آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں، لیکن وہ نہ مانا، یہاں تک کہ مجھ سے مقابلہ کیا تو میں نے اسے قتل کر دیا۔''

اسی طرح امیہ بن خلف، جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سخت ترین دشمن تھا، اس نے جنگ بدر سے پہلے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی زبانی مکے ہی میں اپنے قتل کی پیش گوئی سن لی تھی، اس لیے بدر کے موقع پر جنگ میں شریک ہونے سے جان چُرا رہا تھا۔

ابوجہل نے اسے یہ کہہ کر تیار کیا کہ اپنے تجارتی قافلے کی خبر لو۔ امیہ بن خلف پھر بھی نہ مانا تو اَبوجہل نے کہا:

''اے ابوصفوان! آپ اس وادی کے سردار ہیں، اگر آپ ہی تیار نہ ہوں گے تو دوسرے لوگ کیسے تیار ہوں گے۔''

ابوجہل ضد کرتا رہا، یہاں تک امیہ بن خلف مجبور ہو گیا۔ اس نے کہا:

”خدا

کی قسم! میں ایک

نہایت عمدہ، بہت تیز اُونٹ

خریدوں گا، تاکہ جب مجھے موقع ملے راستے سے واپس آجاؤں۔“

اور اپنی بیوی ام صفوان سے جاکر کہا کہ ”سفر کا سامان تیار کردو۔“

اس نے کہا:

”تمھیں اپنے یثربی بھائی (مدینے کے رہنے والے بھائی) کی بات یاد نہیں کہ (اگر تم گئے تو) محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کے ہاتھوں مارے جاؤ گے!؟“

امیہ بن خلف نے کہا:

”یاد ہے، میں بس تھوڑی دور تک ساتھ جاؤں گا، پھر موقع پاکر واپس آجاؤں گا۔“

خیر، وہ تمام منزلیں طے کرتا بدر تک پہنچ گیا۔ جب میدان میں آیا تو اُس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نظر پڑ گئی، جنھیں یہ مکے میں گرم پتھروں پر لٹایا کرتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ کو دیکھتے ہی انصار کو پکارا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت سے امیہ کے دوست تھے، وہ چاہتے تھے کہ امیہ بن خلف قتل نہ ہو، بل کہ گرفتار ہو جائے، شاید اللہ تعالیٰ اس بہانے اسے ہدایت نصیب فرمائے اور وہ ہمیشہ کے عذاب سے بچ جائے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں کچھ زرہیں (لوہے کی زنجیروں کی قمیصیں) تھیں، جو کافروں سے ملی تھیں، انھوں نے انھیں زمین پر ڈال دیا اور اُمیہ بن خلف اور اُس کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر پھر اَنصار کو آواز دِی کہ کافروں کے سردار اُمیہ کو پکڑو۔ انصار نے آواز سنتے ہی دوڑ لگا دِی۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف کے

بیٹے کو

اَنصار کے آگے کر دیا۔ انصار نے اسے قتل کیا اور اُمیہ کی طرف لپکے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کے اوپر لیٹ گئے، مگر اَنصار نے اسی حالت میں پیروں کے نیچے سے تلوار چلا کر اُمیہ بن خلف کو بھی قتل کر دیا۔ اس حملے سے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیر پر بھی زخم آیا اور عرصے تک اس کا نشان باقی رہا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

”خدا بلال پر رحم فرمائے! میری زرہیں بھی گئیں اور میرے قیدی (امیہ بن خلف اور اُس کا بیٹا) بھی میرے ہاتھ سے گئے۔“

(الصحیح للبخاری، کتاب الوکالہ...)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”میں جنگ بدر کے دن صف میں کھڑا تھا، اچانک میری نظر پڑی تو دیکھا کہ میرے دائیں بائیں دو کم عمر اَنصاری نوجوان ہیں، ان کی وجہ سے مجھے خوف محسوس ہوا۔ (کہ دو کم عمر نوجوانوں کے بیچ دیکھ کر کافر مجھے نہ آگھیریں۔) میں اسی خیال میں تھا کہ ایک نوجوان نے آہستہ سے مجھ سے کہا:

”چچا جان! مجھے ابوجہل تو دکھائیے کہ کون ہے؟“

میں نے کہا:

”بھتیجے! ابوجہل کو دیکھ کر کیا کرو گے؟“

اس نے کہا:

”چچا جان! میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا ہے کہ اگر اَبوجہل کو دیکھ لوں گا تو اُسے قتل کر دوں گا یا پھر خود مارا جاؤں گا۔ مجھے پتا چلا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر میں اسے دیکھ لوں تو میرا

سایہ اس کے سائے سے اس وقت تک جدا نہیں ہوگا جب تک ہم میں سے جس کی موت پہلے لکھی ہو، وہ مر نہ جائے۔"

اسی طرح کی گفتگو دوسرے نے بھی مجھ سے کی۔ دونوں نوجوانوں کی یہ باتیں سن کر میرے دل سے ان کے بجائے دو مردوں کے درمیان ہونے کی آرزو ختم ہوگئی۔

چند ہی لمحوں بعد میں نے انھیں اشارے سے ابوجہل کا بتایا۔ یہ سنتے ہی دونوں دوڑ کر باز کی طرح ابوجہل پر جھپٹے اور اُس کا کام تمام کر دیا۔"

(صحیح بخاری)

یہ دو نوجوان ایک مشہور صحابیہ حضرت عفراء رضی اللہ عنہا کے بیٹے حضرت معاذ اور حضرت معوذ رضی اللہ عنہما تھے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک نوجوان حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ تھے۔

چناں چہ حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں ابوجہل کی تاک میں تھا، جب موقع ملا تو میں نے اس کی ٹانگ پر اِس زور کا وار کیا کہ ٹانگ کٹ گئی۔

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ (رضی اللہ عنہ، جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے) نے اپنے والد کی حمایت میں میرے بازو پر تلوار چلائی، جس سے میرا بازو کٹ کر کھال سے لٹکنے لگا، میں اسی طرح لٹکتے بازو کے ساتھ شام تک لڑتا رہا، مگر جب ہاتھ کے لٹکنے سے مجھے تکلیف زیادہ ہونے لگی تو میں نے اسے اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچ دیا، کھال ٹوٹ گئی اور بازو الگ ہوگیا۔"

حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے، البتہ حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ جنگ بدر ہی میں شہید ہو گئے تھے۔

......(جاری ہے)......

# بلاعنوان ۱۸۲

صائمہ نور۔ کراچی

’’یہ کیا امی! کل آپ نے مٹر پکائے تھے اور آج یہ کریلے؟‘‘

باسط نے دسترخوان پر رکھے کریلے کی سبزی کو دیکھ کر خوب بُرا سا منہ بنا کر امی سے کہا۔

اس کی یہ بات سن کر پلیٹ میں موجود کریلوں کے کان کھڑے گئے۔ صرف یہی نہیں، بل کہ فریج میں رکھے مٹر بھی خوب ہی جز بز ہوئے، یہاں تک کے سبزی کے خانے میں آرام سے محوِ استراحت گوبھی، پالک اور ٹنڈوں وغیرہ نے بھی مڑ کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

سبزیاں ویسے تو اِس گھرانے سے بہت خوش تھیں، کیوں کہ اس گھرانے کے تمام بڑے بزرگ انھیں بہت پسند کرتے تھے اور اپنے کھانوں کی فہرست میں شامل بھی رکھتے تھے،حتیٰ کہ گوشت اور مرغی بھی سبزیوں کی آمیزش کے بغیر نہیں بنتے تھے۔

لیکن اس گھر کا ایک بچہ باسط تھا، جسے سبزیوں میں صرف آلو پسند تھے۔

اس کے علاوہ ہر سبزی کو دیکھ کر وہ نہ صرف منہ بناتا تھا، بل کہ ان کی شان میں اچھی خاصی گستاخیاں بھی کیا کرتا تھا۔

باسط کی بات سن کر امی نے بھی جواباً اسے خوب ڈانٹا۔ انھوں نے کہا:

’’بیٹا! کھانے میں ہر چیز کھانی چاہیے، خاص طور پر سبزیاں، کیوں کہ ان میں جو غذائی افادیت پائی جاتی ہے وہ کسی اور کھانے میں مشکل سے ملتی ہے۔

اب خاموشی سے یہ مزے دار کریلے کھاؤ۔ دیکھو، میں نے ان میں خوب پیاز اور ٹماٹر ڈالے ہیں، تا کہ ان کی کڑواہٹ زیادہ نہ رہے اور پیاز اور ٹماٹر سے مل کر ان کی غذائیت اور اِفادیت میں اضافہ بھی ہو۔‘‘ امی نے اسے سمجھایا۔

’’امی! آپ ہی کھائیں یہ کڑوے کریلے، میں نہیں کھا رہا۔‘‘

یہ کہتا ہوا وہ وہاں سے چلا گیا۔

امی بے چاری محض تاسف سے اسے جاتے دیکھتی رہیں۔

’’کیا کروں اس لڑکے کا، کھانا کھائے بغیر ہی چلا گیا۔‘‘

امی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔‘‘

......☆......

شام ڈھلنے میں ابھی وقت تھا، باسط ابھی تک سویا ہوا تھا۔ امی نے سوچا کہ اٹھانے سے پہلے آلو کے چپس بنا دیتی ہوں، وہ شوق سے کھا لے گا، پھر ٹیوشن بھی جانا ہے۔ خالی پیٹ کیسے پڑھ پائے گا۔

امی نے جلدی جلدی آلو کے چپس بنائے، اچھی سی دودھ پتی بنائی اور باسط کے کمرے کی جانب چل دیں۔

’’باسط! اٹھو بیٹا!‘‘ وہ بستر کے پاس آئیں اور چادر اُٹھائی۔

’’ارے، کہاں گیا یہ لڑکا؟‘‘

بیت الخلا میں ہوگا۔ انھوں نے بیت الخلا کی سمت منہ کیا تو دروازہ بھی باہر سے بند تھا اور بتی بھی بند تھی۔

’’یہاں بھی نہیں ہے۔‘‘ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں۔

ٹرے وہیں رکھ کر اَب وہ باہر برآمدے میں اسے تلاش کر رہی تھیں، لیکن یہ کیا؟ انھوں نے پورا گھر چھان مارا، وہ کہیں بھی نہیں تھا۔

’’ابو جان! کیا آپ نے باسط کو کہیں دیکھا ہے؟‘‘

انھوں نے اب باسط کے دادا سے استفسار کیا۔

’’نہیں بیٹا!‘‘

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا جائے گا۔ ’’بلاعنوان‘‘ کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ **28** فروری **2023** ہے۔

نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہ ہوگا۔

انھوں نے اپنی عینک کے پیچھے سے جھانک کر جواب دیا۔

''پھر کہاں چلا گیا وہ!؟''

وہ حیرت زدہ تھیں۔ وہ یوں کبھی بھی کہیں نہیں گیا تھا، وہ بھی بغیر بتائے۔

اب وہ پریشان ہوگئی تھیں۔ انھیں پریشان بیٹھے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ انھیں باسط کی آواز سنائی دی:

''امی، امی......!''

......☆......

''ہاں بھئی بچے! کیا کہتے ہو؟''

باسط لکڑی کی کرسی پر رَسی سے بندھا بیٹھا تھا۔

اس کے گرد گھیرا سا بنائے انواع و اَقسام کی تازی تازی سبزیاں موجود تھیں اور ایک بڑی سی جج والی کرسی پر گول گول ہری ہری بالکل تازہ لوکی اپنی ڈنڈی کے عین نیچے چشمہ لگائے موجود تھی۔

ایسا لگتا تھا جیسے سبزیوں نے عدالت سی لگائی ہوئی ہو، جس کی جج بی لوکی ہو۔

باسط کے چہرے سے حیرانی جھلک رہی تھی، وہ پریشان بھی تھا۔

''یہ کیا کہے گا جج صاحبہ! کہنا تو ہمیں ہے۔''

ایک لمبی گہرے سبز رنگ کی بھنڈی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

''ہاں بی بھنڈی! تم ہی کہو۔''

لوکی نے اپنی گرتی عینک درست کرتے ہوئے کہا۔

''جج صاحبہ! یہ بچہ ہم معصوم سبزیوں کے نام سے ہی بدکتا ہے۔''

بی بھنڈی خوب اٹھلا اٹھلا کر بولی۔

''یہ ہماری غذائیت، افادیت اور اَہمیت سے قطعی ناواقف ہے جنابِ عالی!'' مٹر کے دانے بھی میدان میں اچھلے۔

''اور تو اور، اس نے مجھے کڑوا کسیلا کہا، یہ جانے بغیر کہ میں کتنی موذی بیماریوں میں کتنا مفید ہوں، جیسے شوگر اور ہائی بلڈ پریشر۔''

کریلا، باسط سے بہت ہی چڑا ہوا تھا۔

''خاموش، خاموش!''

بی لوکی نے سب کی فریاد سنتے ہوئے سب کو قاعدے میں رہنے کا حکم دیا۔

''اب کہو باسط! کیا یہ الزامات سچے ہیں؟''

بی لوکی نے اس کی جانب آنکھیں گھمائیں۔

''جج صاحبہ! یہ مجھ معصوم کو بھی گھانس پھونس کہتا ہے، حالاں کہ میں تو فولاد کا خزانہ ہوں، جو اِس کی

صحت کے لیے نہایت سودمند ہے۔''

پالک کی بات سن کر لوکی نے پھر نگاہیں باسط پر مرکوز کیں۔

''جج صاحبہ! میں یہ سب کہتا ہوں، کیوں کہ میری امی روز ہی کوئی نا کوئی سبزی پکاتی ہیں۔'' باسط نے تھوک نگلا۔

''لیکن مجھے آلو بہت پسند ہیں۔''

باسط نے اپنے اوپر سے کچھ الزامات کم کرنے چاہے۔

یہ سن کر آلو بھری محفل میں اترایا تو سب سبزیوں نے آلو کو خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

''پیاری سبزیو! باسط ابھی چھوٹا ہے، مجھے یقین ہے کہ وہ ابھی ہماری افادیت سے ناواقف ہے، لہٰذا سب اسے باری باری اپنی غذائی اہمیت بتائیں، تاکہ باسط بھی سبزیوں کی طرف مائل ہو۔''

''جج صاحبہ! ہم تمام سبزیاں اپنی اپنی غذائی اہمیت اور افادیت رکھتی ہیں۔ ہمیں اپنی غذائی اور طبی اہمیت کے باعث ''حفاظتی خوراک'' کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ہمارے اندر صحت کو برقرار رکھنے اور جسم کی بہترین نشوونما کے لیے تمام ضروری اجزا، جیسے نشاستہ، لحمیات، حیاتین اور نمکیات وغیرہ وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔''

بہت دیر سے خاموش بیٹھی خوب صورت گاجر نے نہایت نفاست سے سبزیوں کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

''انسانی جسم کی بہترین نشوونما اور بڑھوتری کے لیے غذا میں ہمیں سبزیوں کا روزانہ استعمال کرنا چاہیے۔

مختلف سبزیوں کی مختلف اہمیت کے پیشِ نظر بدل بدل کر اُنھیں استعمال کرنا ضروری ہے۔

جیسے پالک، فولاد اور نمکیات کا خزانہ ہے، جس سے انسانی جگر کو تقویت ملتی ہے، جس کا فعال ہونا خون بنانے اور فون کو صاف کرنے کے لیے بے حد ضروری ہے۔

مولی، وٹامن۔ اے۔ بی۔ سی سے بھری ہوئی ہے، جو ہاضمے کے لیے اکسیر ہے۔

گاجر، وٹامن۔ اے کا خزانہ ہے، جو جِلد اور نظر کی کمزوری کے لیے بے انتہا فائدہ مند ہے۔''

کافی دیر سے خاموش بیٹھی ذہین گوبھی نے تفصیل سے کہا۔

''اس کے علاوہ چقندر، شلجم، کھیرا اور ککڑی کو سلاد کے طور پر بھی استعمال کیا جائے تو بے حد سودمند، زود ہضم اور مزے دار بھی ہوتی ہیں۔''

پالک کیوں کسی سے پیچھے رہتا۔

''تو باسط! اب کچھ سمجھ میں آیا تمھارے؟''

نرم خو لوکی، باسط کو پیار سے سمجھانا چاہتی تھی۔

''جی، لوکی جی! سبزیوں کے اتنے فائدے مجھے معلوم نہیں تھے، اب میں ضرور سبزیاں کھاؤں گا۔''

باسط نے حقیقتاً اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے دل سے کہا۔

''کیا خیال ہے پیاری اچھی سبزیو! اب باسط کو چھوڑ دیا جانا چاہیے؟''

لوکی نے سب سبزیوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی، اگر یہ واقعی اب ہمیں بُرے بُرے ناموں سے نہیں پکارے گا اور اپنی ہی صحت کے بے انتہا فائدوں کے لیے ہم سے فائدہ اٹھائے گا تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔''

''ٹھیک ہے، باسط کو سبزیوں کی اس عدالت سے بَری کیا جاتا ہے۔''

بی لوکی نے کہا تو سبزیوں نے اسے رسی سے آزاد کر دیا۔

......☆......

''امی، امی! آپ کہاں ہیں؟''

باسط نیند سے بیدار ہوا تھا اور کمرے سے باہر نکل کر پکار رہا تھا۔

''باسط! تم کہاں تھے بیٹا! میں کب سے تمھیں تلاش کر رہی ہوں۔''

''میں نیند میں مسہری کے نیچے چلا گیا تھا۔'' وہ خفت چھپاتے ہوئے بولا۔

''تم بھی کمال کرتے ہو۔ چلو، اب جلدی سے منہ ہاتھ دھو لو، تمھارے لیے آلو کے چپس بنائے ہیں۔'' امی نے سکھ کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''امی! مجھے وہی کریلے کی سبزی اور روٹی بھی لا دیجیے۔''

باسط نے کہا تو امی حیران پریشان سی کریلے لانے باورچی خانے میں چلی گئیں۔

# کشمیر

رانا محمد شاہد۔ بورے والا

کسی علاقے میں رہنے والے لوگوں نے ایک بزرگ کے نام پر اپنے علاقے کا نام ''کشپ میر'' رکھا تھا۔ ''کشپ'' ان بزرگ کا نام تھا، جب کہ ''میر'' وہاں کے لوگ ''جگہ'' کو کہتے تھے، یعنی ''کشپ میر''۔ یہی ''کشپ میر'' آہستہ آہستہ کشمیر بن گیا۔

کشپ میر سے کشمیر بننے تک سینکڑوں سال گزرے۔ آبادی بڑھتی گئی۔ بیسیوں حکومتیں آئیں اور گئیں۔

محمد بن قاسم نے جب سندھ پر حملہ کیا تو راجا داہر کو شکست دی۔ راجا داہر کا بیٹا جے سنگھ بھاگ کر سندھ سے کشمیر آ گیا۔ اس کے ساتھ اس سفر میں ایک مسلمان صحیم بن سامہ بھی تھا۔

کشمیر میں اس وقت ایک ہندو راجا سہدیو کی حکومت تھی۔ اس نے جے سنگھ کو نہ صرف رہنے کی جگہ دی، بل کہ مال و دولت سے بھی نوازا۔ صحیم بن سامہ بھی اس کے ساتھ رہا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کشمیر میں داخل ہونے والا پہلا مسلمان تھا۔

1319ء میں ایک چنگیزی سردار ذوالقدر خان نے کشمیر پر حملہ کر دیا۔ اس وقت کشمیر پر اُسی راجا سہدیو کی حکومت تھی۔ وہ اس حملے کے بعد اَفراتفری کے عالم میں ملک چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس موقع سے ایک تبتی شہزادے رنگچن شاہ نے فائدہ اٹھایا اور کشمیر پر اپنی حکومت قائم کر لی۔

اس زمانے میں حضرت عبدالرحمن بلبل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کشمیر میں تبلیغ دین کے لیے آئے تو اُس مسلمان درویش کے ہاتھ پر رنگچن شاہ نے اسلام قبول کر لیا اور اپنا نام سلطان صدر الدین رکھا۔ وہ کشمیر کا پہلا مسلمان حکمران تھا۔ سلطان صدرالدین نے 1325ء سے 1327ء تک کشمیر پر حکومت کی۔

سلطان صدالدین کے بعد سلطان شمس الدین 1342ء تک برسرِ اقتدار رہا۔ اس دور میں کشمیر میں اسلام کی تبلیغ کا خوب کام ہوا۔

سلطان شہاب الدین، جن کا دورِ اقتدار 1360ء سے 1378ء ہے، کے عہد میں ایران کے مشہور صوفی بزرگ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سات سو مبلغین اسلام کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے کشمیر تشریف لائے۔ آپ کی آمد کے ساتھ کشمیر میں اسلام اور ہندومت کی کش مکش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ برہمنوں نے اسلامی

تعلیمات کے خلاف خوب محاذ آرائی کی، لیکن ان کی ساری مخالفت، مبلغین اسلام کے سامنے اکارت گئی۔ اسلامی طریقے اور اَخلاقی قدریں، کشمیریوں کے جسم میں روح کی طرح داخل ہوگئیں۔ یوں کشمیر میں ایک عظیم الشان مذہبی وتمدنی انقلاب کی بنیاد پڑی۔

کچھ ماہ وسال کے بعد کشمیر پر ایک ایسا حکمران تخت نشین ہوا جس کے عہد کو کشمیر کی تاریخ کا سنہری دور کہا جاتا ہے، اس حکمران کا نام سلطان زین العابدین بڈشاہ تھا۔

سلطان زین العابدین بڈشاہ نے 1420ء سے 1470ء تک کشمیر پر حکومت کی اور کشمیر کو شاہ راہ ترقی پر گام زن کرنے میں اہم کردار اَدا کیا۔ اس کے بعد چک، مغل، افغانیوں اور سکھوں نے بھی وقتاً فوقتاً کشمیر پر حکومت کی۔

1753ء میں احمد شاہ ابدالی نے کشمیر پر حملہ کردیا اور اُسے افغانستان میں شامل کرلیا۔ یوں کشمیر پر اَفغانی طویل عرصے، یعنی تقریباً 68 سال تک برسرِ اقتدار رہے، پھر 1819ء میں سکھوں نے کشمیر پر حملہ کردیا اور اُس پر قابض ہوگئے۔ یہ حملہ پنجاب کے سکھ حکمران رنجیت سنگھ نے کیا تھا۔ رنجیت سنگھ کو کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے ایک کشمیری پنڈت بیربل نے اُکسایا تھا۔ کشمیر پر سکھوں کا قبضہ یہاں کے مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑا سانحہ تھا۔ یہ تبدیلی کشمیری مسلمانوں کی بدقسمتی اور غلامی کے دور کا آغاز ثابت ہوئی۔

اس دور میں کشمیریوں پر بے پناہ ظلم ڈھائے گئے۔ اس وقت کشمیریوں کا حال یہ تھا کہ دن رات محنت کر کے وہ جو فصلیں کاشت کرتے، کٹائی کے وقت انھیں صرف اس میں سے ایک حصہ ملتا، باقی 9 حصے سکھ افسران چھین کر لے جاتے۔ کوئی صدائے احتجاج بلند کرتا تو اُسے جان سے مار دِیا جاتا۔ سکھوں کے لیے کشمیریوں کو مارنا مشکل نہ تھا۔ سکھوں نے مختلف طرح کے ناجائز ٹیکس کشمیریوں پر عائد کر رکھے تھے۔ مسلمانوں کو اُن کے مذہبی فرائض سے روکا جاتا، مساجد میں تالے ڈال دیے جاتے۔

کشمیری، غلام تو سکھوں کے دور سے چلے آرہے تھے، لیکن اس وقت ان کے بدترین دور کا آغاز ہوگیا جب انگریز نے پچھتر لاکھ نانک شاہی روپوں کے عوض اسے ایک ڈوگرہ راجا گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کردیا۔ دوسرے الفاظ میں ایک کشمیری سات روپے میں بیچا گیا۔ اس موقع پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

’’قومے فروختند، چہ ارزاں فروختند‘‘

(قوم کو بیچا گیا اور اَفسوس کہ نہایت سستے داموں بیچا گیا۔)

گلاب سنگھ کشمیر کا ایک سفاک ترین حکمران تھا۔ اس نے مسلمانوں پر بے پناہ ظلم کیا۔ اس کے بارے میں یہاں تک کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی زندہ کھالیں کھنچوادیا کرتا تھا۔

گلاب سنگھ کے بعد ڈوگرہ حکومت میں بھی مسلمانوں کی حالت نہیں بدلی۔ ملازمت اور تجارت پر غیر مسلم چھائے رہے۔ مسلمانوں سے بیگار لی جاتی۔ مسلمانوں کے لیے چولھا رکھنے اور بھیڑ پالنے تک پر ٹیکس عائد تھا۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ مسلمان دریا سے مچھلی تک نہیں پکڑ سکتے تھے۔ کشمیری مسلمانوں کی بقاء اور سلامتی خطرے میں پڑ گئی، پھر ہری سنگھ کشمیر کا حکمران بنا۔

ہری سنگھ کے دور میں ایک دو ایسے واقعات ہوئے جن سے مسلمانوں کے اندر سے خوف اور ناامیدی جاتی رہی، یعنی مسلمان خوابِ غفلت سے بیدار ہوگئے۔

دراصل مسلمان ہر چیز برداشت کرسکتا ہے، مگر قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کرسکتا اور نہ ہی مذہب کے معاملے میں کسی پابندی کو برداشت کرسکتا ہے۔ چناں چہ ایک دو ایسے واقعات ہوئے جن کی وجہ سے کشمیری مسلمانوں میں ڈوگرہ حکومت کے خلاف نفرت ایک لاوے کی شکل اختیار کرگئی۔

مسئلۂ کشمیر کی اصل ابتدا اُس وقت ہوئی جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ تقسیم ہند اِسی بنیاد پر ہوئی تھی کہ مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان میں اور ہندو اکثریت کے علاقے بھارت میں شامل ہوں گے۔ کشمیر مسلم اکثریتی صوبہ تھا، اصولاً اسے پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہیے تھا۔ کشمیری مسلمان بھی 19 جولائی 1947ء

کو پاکستان کے ساتھ الحاق کی قرارداد منظور کر چکے تھے اور قیامِ پاکستان کے بعد ڈوگرہ راج کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اسی جدوجہد میں کشمیر کا کچھ حصہ آزاد کرا لیا گیا اور 24 اکتوبر 1947ء کو اُس حصے میں آزاد حکومت قائم ہوئی، جسے آج ہم آزاد کشمیر کہتے ہیں۔

27 اکتوبر 1947ء کو مسلمانوں کے حملوں کے ڈر سے مہاراج ہری سنگھ، ہندوستان بھاگ گیا اور وہاں کے ہندوؤں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اُکسایا، چناں چہ ہندوستان نے اپنی فوجیں سری نگر میں اتار دیں اور یوں ان کی مجاہدین کشمیر سے جنگ شروع ہوگئی، جو بالآخر 1948ء میں اقوام متحدہ کی کوششوں سے رُک گئی۔ بھارت کے اس وقت کے وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے کہا:

"ہم نے اس الحاق کو قبول کرنے اور اپنی فوجیں بھیجنے کا فیصلہ تو کر لیا، لیکن ہم نے یہ شرط بھی عائد کر دی ہے کہ آخر کار جب امن اور قانونی نظام بحال ہو جائے گا تو کشمیری عوام خود اِلحاق کا فیصلہ کریں گے۔"

اسی طرح کے خیالات کا اظہار اُنھوں نے برطانوی وزیراعظم کے نام ایک ٹیلی گرام میں بھی کیا۔

لیکن اس کے بعد سے آج تک بھارت نے کشمیریوں کو قوت کے بل بوتے پر زیر کیا اور اُن کے حقوق غصب کیے۔ اقوام متحدہ کی بار بار کی قراردادوں کے بعد اِس بات پر اِتفاق ہوا کہ کشمیر میں اقوام متحدہ کی زیر نگرانی رائے شماری کرائی جائے۔ بھارت کا رویہ اس دوران میں ہمیشہ منافقانہ رہا۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، بھارت اپنے ہی بیانات سے انحراف کرنے لگا اور کشمیر کو اپنا حق ملکیت قرار دینے لگا، بل کہ کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ تک کہنا شروع کر دیا، پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کشمیر کے لیے باقاعدہ مسلح جدوجہد کا آغاز ہو گیا۔

تحریک آزادی کی ابتدا میں مقبوضہ کشمیر میں بھارت کی دو، اڑھائی لاکھ فوج تھی، مگر جیسے جیسے کشمیر کی تحریک آزادی زور پکڑتی گئی فوج کی تعداد بھی بڑھتی گئی اور اُن کے ظلم میں بھی اضافہ ہو گیا۔ آج یہ تعداد کم و بیش دس لاکھ ہو چکی ہے۔

بھارت نے کشمیری مسلمانوں کو آزادی کی جدوجہد سے روکنے کے لیے ظلم و تشدد کا ہر حربہ استعمال کیا، مگر وہ کشمیریوں کے جذبۂ حریت کو نہیں دبا سکا۔ لاکھوں مجاہدین، آزادی کی جدوجہد میں شہادت کا بلند مقام پا چکے ہیں۔ حق و اِنصاف کے لیے کشمیریوں کی جدوجہد آج بھی جاری ہے۔

یہ ہے اُس کشمیر کی کہانی جس کا دن ہم ہر سال 5 فروری کو مناتے ہیں۔

علامہ اقبال نے اسی خوب صورت وادی کے متعلق کہا تھا: ؎

پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب
مرغانِ سحر تیری فضاؤں میں ہیں بے تاب
اے وادیِ لولاب

دس سال سے زائد عمر کے بچوں کے لیے

# انو منو کا دستر خوان ۷

انعم توصیف۔ کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی انو منو حاضر ہے آپ کے سامنے ایک نئی، آسان اور مزے دار ترکیب کے ساتھ۔

پیارے ساتھیو! امید ہے کہ آپ ان ترکیبوں کو آزماتے ہوں گے اور خوب داد وصول کرتے ہوں گے۔

ایک بات یاد رکھیے، اگر کسی ترکیب کو آزماتے ہوئے کبھی کوئی کمی بیشی ہو جائے تو دل چھوٹا نہ کیجیے۔ پہلی دفعہ میں ضروری نہیں ہے کہ ہر چیز اچھی بن جائے۔ جتنی دفعہ آپ کوئی ترکیب آزمائیں گے اتنی ہی اسے بنانے میں بہتری آئے گی، ان شاء اللہ!

چلیے، اب چلتے ہیں ترکیب کی طرف۔

اجزا:

| | |
|---|---|
| تیل | چوتھائی کپ |
| چاول | آدھا کلو |
| مرغی | چار بوٹیاں |
| گاجر | دو عدد |
| آلو | دو عدد |
| شملہ مرچ | ایک عدد |
| بند گوبھی | آدھا پاؤ |
| پسا ہوا لہسن ادرک | ایک کھانے کا چمچہ |
| پسی ہوئی کالی مرچ | ایک چائے کا چمچہ |
| نمک | حسبِ ذائقہ |
| سویا ساس | دو کھانے کے چمچے |
| مایونیز | آدھی پیالی |
| کیچپ | دو چائے کے چمچے |

ترکیب:

سب سے پہلے چولھے پر ایک جانب چاول اُبالنے کے لیے رکھ دیجیے اور دوسری جانب مرغی کو اُبال لیجیے۔ مرغی میں اتنا پانی ڈالیے گا کہ وہ گل بھی جائے اور ایک کپ کے برابر اُس کی یخنی بھی بچ جائے۔ چاول میں ایک کھانے کا چمچ نمک اور مرغی میں آدھا چائے کا چمچ نمک ڈال دیجیے۔

اُبالنے کے کام کے لیے گھر میں کسی بڑے کی مدد لیجیے۔ چاول اُبل جائیں تو کسی بڑے سے کہہ کر پانی نکال دیجیے۔ یہ کام آپ ابھی نہیں کر سکتے، ابھی بس یہ آپ کو سیکھنا ہے، کرنا نہیں۔ سکھانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ چاول کس طرح پکائے جاتے ہیں۔

اب آپ دھیان سے چھری لیجیے اور تمام سبزیاں باریک باریک کاٹ لیجیے۔ سبزیاں جتنی باریک ہوں گی اتنی ہی آسانی سے کھالی جائیں گی۔

اکثر بچے سبزیاں کھاتے ہوئے منہ بناتے ہیں، مگر اِس ترکیب میں سبزیاں کھائیں گے تو آپ کو چاول کے ساتھ یہ سبزیاں بہت ہی مزے دار لگیں گی، ان شاءاللہ!

آلو کو لمبا لمبا کاٹیے، جیسے آلو کے چپس کے لیے کاٹے جاتے ہیں، اور دس منٹ آلو بھی پانی میں اُبال لیجیے۔

سبزیاں کاٹتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کرتے رہیے۔ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے کام کیا جاتا ہے تو کام میں برکت ہوتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ کام جو بھی ہو شوق اور لگن سے کیجیے۔ کھانا تو ایسی چیز ہے جو زندگی بھر اِنسان کھاتا ہے۔ اس کے بغیر تو گزارا نہیں تو کیوں نہ اِسے پکایا بھی شوق سے جائے۔ نیت اچھی رکھی جائے کہ ہم اللہ کے بندوں کو کھلانے کے لیے یہ محنت کر رہے ہیں۔ نیت اچھی رکھیں گے تو اِن شاءاللہ! کھانا پکانے پر بھی اللہ رب العزت اجر عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بہتر سے بہترین رزق عطا فرمائے اور اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین!

اب ایک پتیلی میں تیل ڈالیے اور اُبلے ہوئے آلو ڈال کر اُنھیں تل لیجیے۔ آلو سنہرے ہو جائیں تو اُن میں سب سے پہلے لہسن ادرک ڈالیے، اس کی خوش بُو سے پورا باورچی خانہ مہک اٹھے گا، پھر نمک، پسی ہوئی کالی مرچ اور سویا ساس ڈالیے۔

دوسری طرف مرغی کو اُبالتے ہوئے جو یخنی بچی ہوگی، وہ بھی اس میں شامل کیجیے۔ مرغی کی بوٹیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیجیے اور تمام سبزیاں اس میں ڈال دیجیے۔ صرف دو منٹ سبزیوں کو پکائیے، زیادہ دیر پکانے سے سبزیوں کی رنگت خراب ہو جائے گی۔ یہ رنگ برنگی سبزیاں آپ کو دیکھنے میں بہت ہی پیاری لگیں گی۔ آخر میں اُبلے ہوئے چاول ڈال کر سب چیزوں کو ایک ساتھ ملا لیجیے اور دس منٹ کے لیے ہلکی آنچ پر رکھ دیجیے۔ اتنی دیر میں ایک پیالے میں مایونیز، کیچپ، ایک چٹکی نمک اور ایک چٹکی پسی ہوئی کالی مرچ ملا کر ''ساس (Sauce)'' تیار کر لیجیے۔

یہ ساس آپ ان چاولوں کے ساتھ کھائیے، اس سے چاولوں کا ذائقہ دوبالا ہو جائے گا، ان شاءاللہ!

اتنی دیر میں چاول بھی مکمل تیار ہو جائیں گے۔ اب ذرا ڈھکن ہٹا کر اِن رنگ برنگے چاولوں کو دیکھیے۔ دیکھنے میں اتنی مزے دار چیز ہے تو کھانے میں کتنی اچھی ہوگی۔

اب گرم گرم ہی لے جا کر دسترخوان پر سجائیے۔ خود بھی کھائیے اور گھر والوں کو بھی کھلا کر داد وُصول کیجیے۔

انومنو نے تو یہ ترکیب آزما کر دیکھ لی، اس بہانے ساری سبزیاں بھی خوشی خوشی کھالی گئیں۔ اب آپ بھی دیر مت کیجیے۔ سردیاں جائیں گی تو یہ سبزیاں بھی اپنے گھروں کی راہ لیں گی، لہٰذا اِن کے جانے سے پہلے جلدی سے انھیں اپنے گھروں میں لے آئیے اور پکا کر کھا لیجیے۔

غذائیت اور ذائقے سے بھرپور اس ترکیب کا نام آپ جو چاہیں رکھیے۔ ویسے ''رنگ برنگی سبزیوں کے چاول''، یہ نام کیسا رہے گا؟ یہ تو خیر اَنومنو کا خیال ہے۔ آپ بھی دماغ لڑائیے اور اس ترکیب کو نام دیجیے۔

ان شاءاللہ! انومنو پھر حاضر ہو گی ایک اور نئی ترکیب کے ساتھ۔ ترکیب پسند آئے تو اَنومنو کو دُعا دیجیے گا۔

# بکھرے موتی

## قارئین

☆ اپنی زبان کی حفاظت اس طرح کرو جس طرح اپنے ایمان کی حفاظت کی جاتی ہے۔ ایمان کی حفاظت نہ کرنے سے ایمان کے چھوٹ جانے کا خدشہ ہے اور زبان کی حفاظت نہ کرنے سے عزیز واَقارب کے چھوٹ جانے کا۔

☆ غربت و اِفلاس، انسان کے وقار اور اِعتماد کو برباد کر دیتے ہیں۔

☆ حق تلفی و ناانصافی ایسے ہی قابل نفرت عوامل ہیں جیسے کسی مسلمان کے نزدیک حرام کا لقمہ۔

(ماہ نور، عبدالعزیز۔ کراچی)

☆ اگر آپ اُس وقت مسکرا سکتے ہو جب آپ پوری طرح ٹوٹ چکے ہو تو یقین جانو کہ دنیا میں آپ کو کبھی کوئی شکست نہیں دے سکتا۔

☆ یہ عجیب دور ہے، یہاں کوئی اپنے دُکھ سے اِتنا دُکھی نہیں جتنا دوسرے کے سُکھ سے دُکھی ہے۔

(عبدالواسع بیت محمد شعیب۔ کراچی)

☆ جتنی ذہانت کسی کی بات کا جواب دینے کے لیے ضروری ہے، اس سے کہیں زیادہ ذہانت اس کی بات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔

☆ استاد بادشاہ نہیں ہوتا، لیکن بادشاہ بنا دیتا ہے۔

☆ اچھے کے ساتھ اچھے رہو، لیکن بُرے کے ساتھ بُرے مت بنو۔

☆ صحیح وقت پر دو لفظ نہ بولے جائیں تو وقت گزر جانے کے بعد لمبی گفتگو کرنا بے کار جاتا ہے۔

(حیدر علی۔ میر پور خاص)

☆ اگر آپ کی نیت اور ضمیر صاف ہے تو اِس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لوگ آپ کو اچھا کہیں یا بُرا، کیوں کہ آپ اپنی نیت اور عمل پر جانچے جائیں گے، دوسروں کی سوچ پر نہیں۔

☆ محنت اتنی خاموشی سے کرو کہ تمھاری کامیابی شور مچا دے۔

☆ اگر ثابت قدم رہا جائے تو راستے خود بخود بن جاتے ہیں۔

(صہیب اسلم۔ رحیم یار خان)

☆ بدنصیب ہے وہ شخص جو والدین کی خدمت کر کے ان کی دعا نہیں لیتا اور لوگوں سے کہتا پھرتا ہے کہ میرے لیے دعا کرنا۔

☆ مشکل وقت میں دلاسا دینے والا کوئی اجنبی بھی ہو تو وہ دل میں اُتر جاتا ہے اور ایسے وقت میں کنارا کر لینے والا کوئی اپنا ہی کیوں نہ ہو، دل سے اُتر جاتا ہے۔

☆ سب سے زیادہ جاہل وہ ہے جو گناہ سے باخبر ہوتے ہوئے بھی گناہ کرے۔

☆ جو قوم لڑنا نہیں جانتی بہت جلد اُس پر لڑنے والی قوم حاکم بن جاتی ہے۔

(باقر علی۔ لودھراں)

# مُسکرا دو

تنزیلہ احمد۔ اوکاڑہ

سنہرے رنگ کی گول ٹکیا جیسے سورج نے زمین کی جانب دیکھتے ہوئے بھرپور انگڑائی لی۔

پھر جیسے ہی سورج میاں نے مشرق کی سمت سے دھیمے دھیمے مسکراتے ہوئے اپنا چمکتا دمکتا چہرہ ظاہر کرنا شروع کیا، روشن کرنیں شرارتیں کرتی ہوئی دھرتی کی طرف بھاگنے دوڑنے لگیں۔

''دیکھتے ہیں پہلے زمین تک کون پہنچتا ہے!'' کرنوں نے ہنستے ہوئے ایک دوسرے کو چھیڑا۔

کسی کا راستہ بالکل صاف تھا تو کسی کے راستے میں ہلکے سیاہ رنگ کے بادل بھیا کھڑے تھے۔

''ہمارے ساتھ کھیلو!'' بادلوں نے کرنوں کا راستہ روکتے ہوئے شرارت سے کہا۔

اور یوں روئی کے گالوں جیسے بادلوں سے کھیلتے ہوئے کچھ شرارتی کرنیں زمین تک پہنچنے سے رہ گئیں۔

جو پہنچ گئیں وہ ''جیت گئی، جیت گئی'' کا شور مچانے لگیں۔

ان کی آواز سُن کر سرخ پھول کی ننھی اَدھ کھلی کلی نے تھوڑی سی آنکھ کھولی اور آہستگی سے انگڑائی لی۔

''ارے، صبح ہوگئی!'' خوشی کے مارے اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

ننھی سرخ کلی کا نام لالی تھا۔ اس نے اپنے آس پاس دیکھا اور تمام دوستوں کو جاگتے دیکھ سرشاری سے جھومنے لگی۔ خوب صورت باغ موسمِ بہار آتے ہی رنگ برنگے پھول دار پودوں سے بھر گیا۔ ٹنڈ منڈ درخت پھر سے ہرے بھرے ہو کر سایہ دار بننے لگے۔

صبح کی سپیدی پھیل چکی تھی۔ نیا دِن اپنے سنگ نئے خواب اور اُمیدیں لایا تھا۔ لالی نے دل ہی دل سوچا کہ آج کا دن کیسے گزارنا ہے، پھر کچھ یاد آتے ہی خوشی کی جگہ اُداسی نے لے لی۔

''اٹھو، ارے اٹھو نا! میری بات تو سنو!'' لالی نے پریشانی سے کچھ فاصلے پر اُونگھتے دوست سکھی کو مخاطب کیا۔

''کیا ہے؟ سونے دو بھئی!'' سورج مکھی کے پیلے رنگ کے بڑے سے پھول نے آنکھیں کھولے بنا سُستی سے جواب دیا۔ اس پر اَبھی دھوپ کی تیز کرنیں نہیں پڑی تھیں۔ جیسے ہی اس پر دھوپ کی سیدھی کرنیں پڑتیں وہ آسمان کی جانب سر اُٹھا لیتا اور کھلکھلاتے ہوئے تب تک باتیں کرتا رہتا جب تک سورج ''اللہ حافظ، کل پھر ملیں گے'' کہتا مغرب کی سمت چل نہ پڑتا۔

''میں آج بہت اُداس ہوں!'' لالی نے سکھی کے سوال کا

جواب دیا تو سکھی نے پوچھا:

''کیوں بھئی، اداسی کی کیا وجہ ہے؟''

''سب گھر والے ایک ہفتے کے لیے شہر سے باہر گھومنے جا رہے ہیں!''

''اچھا! تمھیں کس نے بتایا؟''

''اسد نے مجھے کل خود بتایا تھا وہ بہت خوش تھا۔''

''ہمم...... اسد تو ہمارا دوست ہے۔ اگر وہ خوش ہے تو ہمیں بھی اس کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے۔''سکھی نے سادگی سے کہا تو لالی سوچ میں ڈوب گئی۔ ان سب نے تھوڑا سا سَر اُٹھا کر کھڑکی سے اندر جھانکا۔ گھر میں اس وقت خوب چہل پہل محسوس ہو رہی تھی۔

''لگتا ہے سب تیار ہو رہے ہیں۔''لالی نے دل ہی دل سوچا۔

پرانی طرز کے کشادہ بنگلے میں اسد اپنے والدین کے ساتھ رہتا تھا۔ اسد کی عمر نو برس تھی اور گھر میں وہ اکلوتا بچہ تھا۔ ہنستا مسکراتا پیارا سا بچہ، جو سب پھول پودوں کا خوب خیال رکھتا اور کبھی پھول نہ توڑتا۔ وہ پھول پودوں سے باتیں کرتا۔ وہ باغیچے میں کھیلتے ہوئے کھلکھلاتا تو پھولوں کا بھی دل لگا رہتا اور وہ سب اسے دیکھ کر خوشی سے نہال ہو کر جھومتے رہتے۔

''وہ تو ٹھیک ہے، پَر میں اس لیے اُداس ہوں کہ اگر سب چلے گئے تو ہمارا خیال کون رکھے گا؟''

''چوں چوں چوں......اچھا تو یہ ہے اصل بات!''

چوڑی دیوار پر پھیلی گلابی پھولوں کی بیل پر بیٹھی نیلی چڑیا نے کہا۔ وہ کب سے ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔

''نیلی! تم تو اُڑ کر دانا دُنکا چگ لیتی ہو۔ ایک جگہ سے نہ سہی تو اُڑ کر کہیں اور جا سکتی ہو۔ ایک گھر سے کچھ نہیں ملے گا تو کسی اور گھر میں پانی یا دانہ مل جائے گا، مگر ہمیں دیکھو، ایک ہی جگہ پر اُگتے ہیں، پھلتے پھولتے ہیں اور بہار آنے پر بڑھتے ہیں۔ اگر ہمیں مناسب غذا اور پانی ملتا رہے تو ٹھیک، ورنہ......''

''یہ بات تو ٹھیک کہی۔''سکھی کے دل کو لالی کی بات لگی۔

''چوں چوں چوں...... ہاں یہ تو ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو، مگر لالی! تم اداس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کوئی سبیل بنا دے گا۔ تم اکیلی تھوڑی ہو، سب تمھارے ساتھ ہیں۔ ویسے بھی اسد اور اُس کے والدین بالکل بھی لاپروا نہیں ہیں۔''

''ہمم...... یہ تو ہے۔''لالی کے دل کو تھوڑی سی تسلی ہوئی۔

اتنے میں ان سب کی نظر باہر بھاگ کر آتے اسد پر پڑی۔ وہ سیدھا ان کی طرف آ رہا تھا۔ تیار اور بہت خوش و خرم۔

''میرے پیارے دوستو! میں کچھ دن کے لیے شہر سے باہر جا رہا ہوں، ہم پھر ملیں گے۔ اپنا دھیان رکھنا، خدا حافظ!''

وہ جانے سے پہلے انھیں دیکھنے آیا تھا۔

اس کے بابا گاڑی میں سامان رکھ رہے تھے، جب کہ والدہ دھیان سے گھر کے باہر والے دروازے کو تالا لگا رہی تھیں۔

لالی نے اداسی سے اُسے اللہ حافظ کہا۔ تب ہی انھوں نے اسد کے بابا کی آواز سنی، وہ دروازے پر موجود چوکی دار سے مخاطب تھے:

''کرمو بابا! پودوں کا بہت خیال رکھیے گا۔ روزانہ یاد سے سب پودوں اور درختوں کو پانی دینا ہے۔ دیکھیے گا، سوکھنے نہ پائیں۔ تین چار روز بعد مالی بابا بھی آئیں گے پودوں کو کھاد ڈالنے اور نئے پھول دار پودے لگانے کے لیے۔ دھیان سے پرندوں کے لیے بھی دانہ پانی رکھیے گا۔''

''ٹھیک ہے صاب جی! آپ بے فکر ہو کر جائیں۔ ہر چیز کا خیال رکھوں گا، ان شاء اللہ!''

یہ سن کر سب پھول پودے خوشی سے جھومنے لگے۔

نیلی چڑیا ہنسی: ''چوں چوں چوں...... دیکھا، میں نے کہا تھا نا!''

''چلو، اب تو مسکرا دو لالی!''سکھی اور نیلی کے کہنے پر لالی بھی ان کے ساتھ مل کر ہنسنے لگی۔

لالی پُر یقین تھی کہ اسد جب واپس آئے گا تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے وہ کِھل کر پھول بن چکی ہو گی اور سب کے ساتھ مل کر مسکراتے ہوئے اسد کو خوش آمدید کہے گی تو وہ بھی مسکرا دے گا۔

الطاف حسین ۔ کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۲۸، فروری تک ارسال کردیجیے، ہم آپ کو اِس کا انعام روانہ کردیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو اِنعام سے نوازا جائے گا۔ کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

۱ قواعدِ تجوید قرآن کی رُو سے ''حروفِ حلقی'' ان حروف کو کہا جاتا ہے جو حلق سے ادا ہوتے ہیں۔ ان کی تعداد چھے ہے: ح، خ، ع، غ، ہ، ء...... آپ یہ بتائیے کہ ہونٹوں سے کتنے حروف ادا ہوتے ہیں؟

۲ دو انبیائے کرام علیہم السلام نے شادی نہیں کی تھی۔ ایک نبی کا نام حضرت یحییٰ علیہ السلام ہے...... بتائیے دوسرے نبی علیہ السلام کا کیا نام ہے؟

۳ ''مسجد نمرہ'' میدانِ عرفات میں واقع ہے۔ اس مسجد میں حج کا خطبہ دیا جاتا ہے اور ظہر اَور عصر کی نمازیں اکھٹی پڑھی جاتی ہیں...... بتائیے ''مسجد خیف'' کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۴ خلافت بنواُمیّہ کے پانچویں خلیفہ کا نام عبدالملک بن مروان تھا...... کیا آپ جانتے ہیں کہ خلافت بنوعباس کے پانچویں خلیفہ کا کیا نام تھا؟

۵ ''دَرّہ خیبر'' (بلندی: 3518 فٹ) پاکستان کے صوبہ خیبر پختون خواہ میں واقع ہے...... بتائیے ''دَرّہ کولپور'' (بلندی: 5874 فٹ) پاکستان کے کس صوبے میں واقع ہے؟

۶ پاک فوج کا عہدہ ''بریگیڈیئر'' پاکستان ایئرفورس کے (عہدے) ''ایئر کموڈور'' اور پاکستان نیوی کے (عہدے) ''کموڈور'' کے برابر ہوتا ہے...... بتائیے پاک فوج کا عہدہ ''میجر جنرل''، پاکستان ایئرفورس اور پاکستان نیوی کے کس عہدے کے برابر تسلیم کیا جاتا ہے؟

۷ ''گولڈن گیٹ برج'' امریکا کی ریاست کیلی فورنیا میں ہے...... بتائیے دو برّاعظم (ایشیا اور یورپ) کو ملانے والا پُل ''باسفورس برج'' ترکی کے کس شہر میں واقع ہے؟

۸ میکسیکو کے قومی کھیل کا نام ''بل فائٹنگ'' ہے...... جاپان کے قومی کھیل کا کیا نام ہے؟

۹ سیّارہ یورینس کا سورج سے درمیانی فاصلہ ایک ارب، اٹھتر کروڑ، تیس لاکھ میل ہے...... بتائیے سیّارہ نیپچون، سورج سے کتنے میل دور ہے؟

۱۰ ''غصہ پی جانا'' اردو زبان کا ایک محاورہ ہے، جس کا مطلب ہے: ''برداشت کرنا یا ضبط کرنا''...... آپ یہ بتائیے کہ ''غصہ ناک پر ہونا'' کا کیا مطلب ہے؟

# ایمان کا تقاضا

اُمِّ نسیبہ۔ کراچی

حماد پسینے میں شرابور اور بے ترتیب سانسوں کے ساتھ کرسی پر ڈھے سا گیا۔اس کا گلا گرمی کی شدّت اور دوڑنے کے باعث خشک ہورہا تھا،مگر تھوڑی دیر بعد میز پر رکھے جانے والے جوس پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔اب اس کے چہرے پر غم اور غصہ واضح تھا۔

......☆......

بارہ سالہ حماد اپنے سالانہ امتحان کے اختتام پر بہت خوش تھا۔وجہ یہ تھی کہ اس کے ابو نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ امتحان ختم ہونے کے بعد قریبی اکیڈمی میں لگنے والے کیمپ میں اس کا داخلہ کروادیں گے، جہاں تیراکی، دوڑ، گھڑسواری اور کراٹے جیسے صحت افزا کھیل سکھائے جاتے تھے۔حماد کا قریبی دوست احمد بھی وہاں داخلہ لے چکا تھا، جس کے باعث حماد مزید پُرجوش تھا۔

امتحان ختم ہونے کے دو دِن بعد حماد اپنے ابو کے ساتھ جا کر اکیڈمی میں داخلہ لے آیا۔اب اسے آنے والے پیر کا شدت سے انتظار تھا، اس دن اکیڈمی میں ان کی پہلی کلاس تھی۔

پیر کی صبح نمازِ فجر کے بعد حماد جلدی جلدی جانے کی تیاری کرنے لگا۔تیار ہو کر اَمی کو سلام کیا اور اَبو کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''بیٹا جی! آپ کس نیت سے یہ کورس کر رہے ہو؟''

ابو نے اس کی نیت کی درستی کروانی چاہی۔

''ابو جی! یہ کھیل صحت کے لیے فائدے مند ہیں۔میں اس نیت سے یہ تمام چیزیں سیکھ رہا ہوں کہ ایک صحت مند مسلمان بنوں اور اِسلام اور پاکستان کی خدمت دل و جان سے کرسکوں۔''

حماد بولا۔

''ماشاءاللہ، ماشاءاللہ! اللہ پاک تمھیں اس نیک مقصد میں کامیاب فرمائے۔آمین!'' ابو مسکراتے ہوئے بولے۔

اتنے میں وہ اکیڈمی تک پہنچ گئے اور حماد کے والد اُسے وہاں چھوڑ کر واپس گھر کو روانہ ہوگئے۔

اکیڈمی کا ماحول بہت اچھا تھا۔پہلے تعارفی کلاس ہوئی۔لڑکوں سے ان کے نام اور دیگر معلومات لی گئیں، پھر دوڑ کی مشق شروع ہوئی۔ماہر اَساتذہ کی موجودگی میں بہترین انداز میں دوڑنے کے بارے میں بتایا گیا۔بعد اَزاں وقت اور منزل طے کر کے آٹھ، آٹھ لڑکوں سے دوڑ لگوائی گئی۔حماد کی باری آئی تو وہ بھی دوڑنے لگا۔

دوڑ کی مشق کا اختتام ہوا تو تمام لڑکوں کو کرسیوں پر بٹھادیا گیا اور کچھ دیر بعد میز پر ٹھنڈے ٹھار جوس کے ڈبے رکھ دیے گئے۔گرم موسم کے باعث لڑکوں نے جلدی جلدی جوس اٹھالیے۔

حماد پسینے میں شرابور اور بے ترتیب سانسوں کے ساتھ کرسی پر ڈھے سا گیا تھا۔اس کا گلا گرمی کی شدّت اور دوڑنے کے باعث خشک ہورہا تھا،مگر تھوڑی دیر بعد میز پر رکھے جانے والے جوس پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔اب اس کے چہرے پر غم اور غصہ واضح تھا۔

اس کے سامنے ''شیزان'' کمپنی کے جوس کا ڈبا رکھا ہوا تھا۔

''سس......سر! یہ کیا؟ یہ...... یہ تو شیزان کمپنی کا جوس ہے۔''

حماد ایک دم کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

''جی بیٹا! کیا آپ کو اِس کمپنی کا جوس پسند نہیں ہے؟''

وہاں موجود ایک استاد بولے۔

''سر! یہ مجھے اور کسی بھی مسلمان کو پسند نہیں ہونے چاہیے۔''

حماد بولا۔

تمام لڑکے اس کی بات سن کر چونک گئے اور بغور حماد کو دیکھنے لگے۔

''مگر اِس میں ایسا کیا ہے؟''

استاد اُلجھ کر بولے۔

''سر! یہ قادیانی کمپنی کا مشروب ہے۔ کم از کم میں تو اِسے بالکل نہیں پی سکتا۔''

حماد باوجود شدید پیاس کے ایک عزم سے بولا۔

''اوہ! مگر بیٹا! ہم انگریزوں کی بنی ہوئی اشیا بھی تو اِستعمال کرتے ہیں۔'' سر بولے۔

بقیہ صفحہ نمبر 41 پر

ابو غازی محمد ۔ کراچی
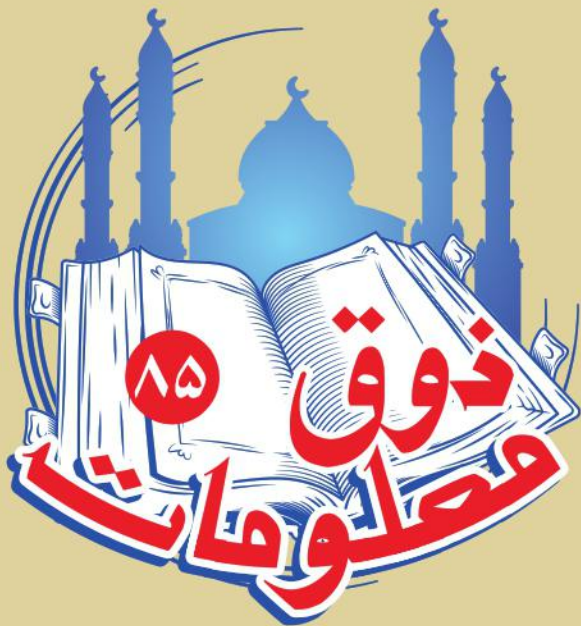
یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔

اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اَپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔ آپ کا جواب ۲۸ فروری تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

1. یہ ملک مشرقِ وسطیٰ میں واقع ہے۔
2. اس ملک کا کُل رقبہ 1,960,582 مربع کلومیٹر ہے۔
3. یہ ملک خلافت عثمانیہ (ترکی) کے ماتحت بھی رہا ہے۔
4. ایک عرب سردار نے 13 جنوری 1902ء کو اپنے صرف دس ساتھیوں کی مدد سے اس کے دارالحکومت کا قلعہ فتح کر کے دنیا کو حیران کر دیا۔
عرب سردار نے اس کے بعد وہ تمام علاقے فتح کیے جن پر 1881ء میں خاندانِ ابن رشید کے امیر حائل نے اس کے والد کو شکست دے کر قبضہ کر لیا تھا۔
اس ملک کے دو بڑے صوبے فتح کرنے کے بعد عرب سردار نے 23 ستمبر 1923ء کو ایک سلطنت کی بنیاد رکھی، جس پر اَب تک اس سردار کے خاندان کی حکومت قائم ہے۔
5. یہاں دنیا کا سب سے بڑا ہوائی اڈا بھی ہے۔

# اللہ کی نعمت ہیں پودے

بنت مسعود احمد۔ کراچی

پودے ہیں اللہ کی نعمت
دیتے ہیں یہ سب کو راحت
گرمی کو یہ کم کرتے ہیں
ٹھنڈا یہ موسم کرتے ہیں

پھل ، سبزی بھی ان کے دم سے
چاول ، روٹی ان کے دم سے

پیڑوں ، پودوں سے ہے جیون
کرتے پیدا یہ آکسیجن

توتا ، مینا ، بلبل ، چڑیا
پیڑوں پر ہی گھر ہے ان کا

لکڑی بھی ہم ان سے پاتے
ہیں یہ ہم پہ سایہ کرتے

ایسی اللہ کی ہے دولت
جو ہے بالکل ہی بے قیمت

آؤ ، مل کر محنت کرلیں
تھوڑی سی سب ہمت کرلیں

# مانی سُدھر گیا

بیگم سیدہ ناجیہ شعیب احمد۔کراچی

پیارے بچو! من کے سچو!
ایک تھا مکوڑا، ایک تھی چیونٹی۔
ننھی منی سی چیونٹی سرخ رنگ کی تھی اور مکوڑا خوب موٹا تازہ کالے سیاہ رنگ کا تھا۔ چیونٹی چینی کی رسیا تھی اور کالا مکوڑا مصری کا شیدائی۔

ان دونوں کا بہت بڑا خاندان تھا اور وہ ایک بڑے سے خوب صورت گھر کی درزوں اور کونوں کھدروں میں آباد تھے، جہاں وہ مزے سے اس پورے گھر میں دندناتے پھرتے، کھاتے پیتے اور موج اڑاتے تھے۔ وہ اس گھر کی بنیادوں میں اپنا مستقل ٹھکانا بنانے میں دن رات جتے رہتے تھے۔ ان سب کا ایک ہی مقصد تھا، اس گھر کے مکینوں کو ستانا۔

پہلے پہل تو چیونٹی نے انھیں ستانے سے انکار کر دیا تھا، مگر کالا مکوڑا اُسے جوش دلاتا رہا، یہاں تک کہ چیونٹی اس بے قصور گھرانے کو ستانے پر آمادہ ہوگئی۔
چیونٹی کو بی مکھی نے سمجھانے کی بہت کوشش کی، مگر بے سود رہا۔
اصل میں قصور ٹھیکے دار اور مزدوروں کا تھا، لیکن خمیازہ مانی کے گھرانے کو بھگتنا پڑ رہا تھا۔

......☆......

مانی ایک چھوٹا سا بچہ تھا، جو بہت لاپروا تھا۔ اس کی ایک سب سے بُری عادت یہ تھی کہ جب اس کی امی اسے کچھ بھی کھانے کو دیتیں وہ اسے اِدھر اُدھر گرا دیتا۔
ٹافیاں اور چاکلیٹ مانی کو بہت پسند تھیں، لیکن وہ جب بھی انھیں

کھاتا، کھانے کے بعد اُس کا منہ اور ہاتھ چِپ چِپے ہو جاتے، جنھیں وہ اپنے کپڑوں سے پونچھ لیتا۔ امی اسے سمجھا سمجھا کر تنگ آچکی تھیں۔

ایک دن تو حد ہی ہو گئی، مانی کی امی باورچی خانے میں حلوہ پکا رہی تھیں کہ کمرے میں سوئے مانی کے چیخنے کی آواز سُن کر وہ بھاگی بھاگی کمرے میں آئیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ ایک موٹا کالا مکوڑا مانی کے انگوٹھے سے بُری طرح چمٹا ہوا اُسے کاٹ رہا ہے۔

درد کی شدت سے مانی چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ جیسے تیسے کر کے امی نے مکوڑے کو کھینچ کر دور پھینکا۔ مکوڑا تیزی سے بھاگ کر دیوار میں بنے سوراخ میں جا چھپا۔ مکوڑے کے نوکیلے ڈنک مانی کے چھوٹے سے نازک اَنگوٹھے کو زخمی کر گئے تھے۔ امی نے مانی کو بہلا کر اَنگوٹھے پر دَوا لگائی۔

تھوڑی دیر مانی کے پاس بیٹھنے کے بعد جب امی باورچی خانے میں واپس آئیں تو اپنا سر پکڑ کر رہ گئیں۔ باورچی خانے کے پورے سلیب پر چھوٹی چھوٹی سرخ رنگ کی سینکڑوں چیونٹیاں رینگ رہی تھیں، وہ گھبراہٹ میں چینی کا ڈبا جو کھلا چھوڑ گئی۔

مانی کی امی نے آئندہ چیزیں کھلی رکھنے سے توبہ کی اور وہ بہت احتیاط کرنے لگیں۔

پیارے بچو!

مانی کے گھر کی جگہ کبھی ایک بہت بڑا ریت کا ٹیلا ہوا کرتا تھا، جس کے اندر لاکھوں چیونٹیوں اور مکوڑوں نے اپنے گھر بنا رکھے تھے۔ وہ سب وہاں ہنسی خوشی مزے سے رہتے تھے، پھر اُن کے گھر کو کسی کی نظر لگ گئی۔

ہوا یوں کہ ایک دن کسی سرمایہ دار نے بلڈوزر چلوا کر وہاں کی پوری زمین ہموار کر دی اور ٹھیکے دار کو وہاں ایک بڑا سا گھر تعمیر کروانے کا ٹھیکا دے دیا، اور یوں گھر بن کر تیار ہو گیا۔

اس خوب صورت گھر کو مانی کے بابا نے خرید لیا۔ ادھر جب ان کیڑے مکوڑوں کی بستی اجڑی تو لاکھوں مکوڑے اور چیونٹیاں گھر تعمیر کرنے والے مزدوروں کے پیروں تلے کچل کر بھی ہلاک ہو گئے۔ جو زندہ بچ گئے وہ بے گھر ہو گئے، سو اُن سب نے زیرِ تعمیر گھر کی درزوں میں پناہ لے لی۔

مانی کے امی بابا کو تو اِس بات کی خبر ہی نہیں تھی کہ اپنے گھر سے بے گھر ہونے والے یہ مکوڑے اور چیونٹیاں اس گھر کے مکینوں کو اَپنا جانی دشمن سمجھ بیٹھے ہیں اور غصے میں آ کر اِن بے قصوروں کو تنگ کرنے پر تُل گئے ہیں۔

پھر اکثر ایسا ہوتا کہ کبھی کوئی مکوڑا، مانی کو کاٹ لیتا تو کبھی چیونٹیاں موقع ملتے ہی گھر میں رکھی کھانے پینے کی اشیا میں گھس کر اُنھیں خراب کر دیتیں۔

قالین کے نیچے، کیاری کے اندر، الماری کے خانوں، آٹا، چینی، چاولوں اور مسالوں کے ڈبوں، غرض ہر چیز، ہر جگہ ان کا رَاج قائم ہو گیا تھا۔

آئے دن کے نقصانات اور پریشانی سے تنگ آ کر بالآخر مانی کے بابا نے خوب سوچ بچار کر کے ان کیڑے مکوڑوں سے ہمیشہ کے لیے پیچھا چھڑانے کے لیے ایک فیصلہ کر ہی لیا اور بازار سے تیز اور بااَثر کیڑے مار دوا خرید لائے۔

اس سے پہلے انھوں نے مانی کے بہت زیادہ اور ہر وقت میٹھا کھانے پر پابندی لگائی۔ گھر کو صاف ستھرا رکھنے کی سخت تاکید کی، پھر بابا اسے دادی اماں کے پاس چھوڑ آئے۔

اس کے بعد اُنھوں نے پورے گھر میں کیڑے مار دَوا کا چھڑکاؤ کرنا شروع کر دیا۔

بس پھر کیا تھا، مانی کی الماری، جھولے کے سوراخوں میں چھپے موٹے کالے مکوڑوں اور باورچی خانے کی درزوں میں چھپی چیونٹیوں نے جلدی جلدی چیخ چیخ کر سب کو خبردار کیا۔ ان سبھی نے گھر میں بنائے اپنے اپنے ٹھکانوں کو چھوڑا اور وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔

مانی کی امی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے بولیں کہ چلو، ان چیونٹیوں اور مکوڑوں سے ایک فائدہ تو حاصل ہوا کہ مانی سدھر گیا۔

# حفاظتی بند

عمارہ فہیم ۔ کراچی

اسکول بند ہوتے ہی سردی نے بھی خود کو کہیں چھپالیا تھا، فضا میں نمی اور دھند تو تھی، مگر شدید ٹھنڈ نہیں تھی۔

دس دن کی چھٹیوں میں سے چار چھٹیاں گزر چکی تھیں، اکثر بچے دن اس لیے گن رہے تھے کہ انھیں اسکول کھلنے اور پُرانے معمول کے مطابق مصروفیت کا انتظار تھا، جب کہ آدھی بچہ پارٹی کی خواہش تھی کہ اسکول کھولتے ہی ہمیشہ کی طرح سردی عروج پر پہنچ جائے اور ایک بار پھر چھٹیوں کے مزے لوٹنے کا موقع مل سکے، خوب مزے سے نیند پوری کریں اور کھیلیں کودیں۔

لیکن ابھی تو انھیں ان دس دنوں کو ضائع نہیں کرنا تھا، رازی چچا سے بہت کچھ سیکھنا تھا، کیوں کہ اچھے بچے تو ہمیشہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آج بھی صبح صبح پوری ٹولی فجر کی نماز، چہل قدمی اور ہلکے پھلکے ناشتے کے بعد رازی چچا کی تجربہ گاہ کی طرف رواں دواں تھی۔

دروازے تک پہنچ کر سعد اور اَحمد نے مسکرا کر گھنٹی بجائی تو چچا نے گھنٹی کی ایک آواز پر ہی دروازہ کھول دیا۔ بچے سلام کر کے اندر داخل ہوئے، جہاں تجربہ گاہ کا صاف ستھرا ماحول ان کا استقبال کر رہا تھا۔

تجربہ گاہ میں آنے کے بعد دس منٹ کوئی بھی کہانی کی کتاب دیکھنے، اس کا مطالعہ کرنے کے لیے مخصوص تھے، اس لیے سب بچوں نے کتابوں کی الماری سے اپنی مرضی کی کتابیں نکالیں اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ کر مطالعہ کرنے لگے۔ چچا، بچوں کی طرف متوجہ تھے۔

سعد اور اَحمد کے ساتھ آج ایک نیا بچہ بھی آیا تھا، اسے تجربہ گاہ کی ویسے تو کوئی ترتیب معلوم نہیں تھی، لیکن باقی سب بچے جیسا کر رہے تھے ویسا اس نے بھی کیا، ایک کتاب لی اور ایک جگہ بیٹھ گیا، مگر اُس میں کوئی بات تھی جو چچا کو بار بار اُس کی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ چچا، جنھوں نے آج ایک سمندری مخلوق پر گفتگو کرنے کا سوچا تھا، نے اپنا ارادہ تبدیل کر کے ایک نئے موضوع پر بات کرنے کا ارادہ کرلیا۔

دس منٹ مکمل ہوتے ہی سب بچے کھڑے ہوگئے۔ اب وہ سب چچا کے منتظر تھے کہ آگے کی ترتیب کیا ہے؟ چچا نے سب کو اپنی میز کے پاس آنے کا اشارہ کیا اور خود کتابوں کی الماری کی طرف بڑھ گئے۔ چند لمحے بعد ایک بڑے نقشے اور ایک کتاب کے ساتھ وہ میز کے پاس موجود تھے۔

”جی تو بچو! یقیناً آپ سب چھٹیوں کے

خوب مزے لوٹ رہے ہوں گے اور مزید چھٹیوں کے خواہش مند بھی ہوں گے۔''

چچا رازی نے مسکرا کر سب بچوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''چھٹیاں کسے پسند نہیں ہوتیں! آپ نے بھی تو بتایا تھا کہ آپ کو تو اَب بھی چھٹیاں پسند ہیں، پھر ہم تو بچے ہیں تو بس اس لیے مزید چھٹیوں کی بھی خواہش ہے۔'' فہد نے مزے لے کر کہا۔

''ہاں بھئی، صحیح کہا۔ چھٹیاں تو سب کو پسند ہوتی ہیں، مگر کام یابی اور ترقی حاصل کرنے کے لیے جہاں محنت اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے وہیں وقت کی قدر و قیمت اور اَہمیت بھی اپنی جگہ ہے۔ اب اگر ہر وقت چھٹیاں مناتے رہے تو دنیا میں کیسے کچھ بن سکیں گے۔ چمکتا ستارہ بننے کا خواب دیکھنا آسان ہوتا ہے، لیکن اس کی جیسی روشنی حاصل کرنے کے لیے کڑی محنت بھی کرنی پڑتی ہے۔''

''جی چچا جان! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، ہم اپنی کتابوں میں سائنس دانوں وغیرہ کے جو حالات وغیرہ پڑھتے ہیں اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت محنت کر کے اس مقام تک پہنچے ہیں، اس لیے ہم بھی خوب محنت کریں گے۔''

احمد نے سمجھ داری کا مظاہرہ کیا تو سب بچے اس کی طرف دیکھ کر اُس کی تائید میں سر ہلانے لگے۔ چچا نے سب کو شاباشی دی اور نئے بچے کی طرف متوجہ ہو گئے، جو خاموشی سے اپنے پسندیدہ مشغلے میں مصروف تھا۔

''ارے ماشاءاللہ! آج تو آپ کے ساتھیوں میں ایک ساتھی کا اضافہ ہوا ہے، ذرا تعارف تو کروائیں۔''

چچا رازی نے احمد اور سعد کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''یہ! معیز ہے، ہماری جماعت کا سب سے خاموش طالب علم!''

سعد نے تعارف کروایا۔

''خاموش نہیں گُھنّا، ہر چیز پر کڑی نظر ہوتی ہے اس کی، اور دِماغ تو اِس کا کمپیوٹر کی طرح چلتا ہے۔''

گولو عمر نے بھی تعارف میں حصہ لیا۔

''بھئی، اس طرح کے القابات کسی کو نہیں دیتے، یہ بہت بُری بات ہوتی ہے۔ اچھی بات ہے کہ وہ خاموش رہ کر چیزوں پر غور کرتا ہے۔ سب کی طبیعت مختلف ہوتی ہے، ضروری نہیں کہ ہر ایک دوسرے کی طرح ہی ہو۔''

چچا رازی نے نرمی سے تنبیہ کی اور اَب معیز کی طرف متوجہ ہوئے۔

''خوش آمدید معیز بیٹے! آپ کی ذہانت کے چرچے سن لیے اور خوشی بھی ہوئی، مگر یہ آپ آنکھوں کے ساتھ کیا کر رہے ہیں؟''

چچا رازی، معیز کا بغور معاینہ کر چکے تھے، مگر وہ اس کے منہ سے سننا چاہتے تھے۔

''کچھ نہیں، بس یہ آنکھوں کے ساتھ لگے بال عجیب لگتے ہیں اور بہت تنگ کرتے ہیں، انھیں آنکھوں سے دور کرتا ہوں، مگر یہ بھی بار بار آجاتے ہیں، ختم ہی نہیں ہوتے۔''

معیز نے ایک بار پھر پلکوں کے ساتھ جنگ لڑتے ہوئے کہا۔

''یعنی! آپ کو پلکیں بُری لگتی ہیں، اس لیے آپ انھیں نوچتے ہیں۔''

چچا رازی نے پُر خیال انداز میں کہا تو معیز نے کندھے اُچکا دیے، جس کا مطلب تھا: ''شاید!''

''ہوسکتا ہے کہ آپ کی پلکیں مڑی ہوئی ہوں، جس کی وجہ سے آپ کو اُلجھن ہوتی ہو، لیکن کیا آپ سب کو معلوم ہے ہماری آنکھوں پر یہ پلکیں ہوتی کیوں ہیں؟ ان کے آنکھوں کے اوپر اَور نیچے ہونے کی وجہ کیا ہے، ہماری آنکھیں اور یہ پلکیں کتنی بڑی نعمت ہیں؟''

چچا رازی کے ان سوالات پر سب بچے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے کہ کیا اس کے پیچھے بھی کوئی راز ہے؟

جب کسی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو اَحمد نے ہی ہمت کی اور کہا:

''ہمیں پلکوں کا تو نہیں معلوم، لیکن یہ ضرور معلوم ہے کہ آنکھیں تو دیکھنے کے لیے ہوتی ہے اور اگر نہ ہوتیں تو ہر طرف اندھیرا ہوتا۔''

''شاباش احمد! آنکھوں کے بارے میں آپ نے ٹھیک کہا۔ رہی بات پلکوں کی تو ہم ابھی جان لیتے ہیں کہ آخر یہ پلکیں

ہماری آنکھوں پر کیوں ہوتی ہیں؟ ان کا کیا فائدہ ہے؟ اور اگر یہ نہ ہوں تو کیا اس سے کوئی نقصان ہوسکتا ہے؟''

رازی چچا نے کتاب اور نقشہ کھولتے ہوئے کہا۔

''یعنی ان پلکوں کے نہ ہونے سے نقصان بھی ہوسکتا ہے!؟''

گولو عمر نے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی، بالکل ہوسکتا ہے، کیوں کہ ہر چیز کی اپنی ایک اہمیت ہوتی ہے۔'' چچا رازی نے کہا۔

''اوہ! تو پھر تو آپ ہمیں جلدی سے بتا دیں۔''

سعد کی بے صبری دیکھ کر چچا مسکرائے اور سب کو نقشے کی طرف متوجہ کیا۔

''بچو! اس نقشے پر آپ کو چھوٹے دائرے کے گرد بڑے رنگین دائرے نظر آرہے ہیں، آپ جانتے ہیں یہ کیا ہے؟''

اس پر آنکھ کا مکمل نقشہ بنا ہوا تھا اور اِس سوال کا مقصد بچوں کی مکمل توجہ اس طرف مبذول کرانا تھا۔

''یہ تو بڑی عجیب سی تصویر ہے۔''

چھوٹو زین نے ناک پر ٹکا ہوا چشمہ اوپر کرتے ہوئے کہا۔

''ہمم! ٹھیک کہتے ہو، مگر یہ ہے کیا؟'' گولو عمر نے بھی حصہ لیا۔

''مجھے تو یہ کوئی سیارہ لگتا ہے۔'' سعد نے کہا۔

''نہیں، یہ بیچ میں اہم چیز ہے اور اِس کے ارد گرد رنگین لکیریں اور دائرے ہیں، جیسے کیمرا ہوتا ہے کہ بیچ میں چھوٹا سا نقطہ نظر آتا ہے اور اُس کے گرد تین چار مزید دائرے نظر آرہے ہوتے ہیں، یہ بالکل اسی طرح لگ رہا ہے۔''

احمد نے بغور اُس نقشے کا معاینہ کرتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔

نقشے پر کوئی عبارت لکھی ہوئی نہیں تھی، جس کی وجہ سے کوئی بھی پہچان نہیں پا رہا تھا کہ آیا یہ کیا ہے۔

''بالکل ٹھیک کہا۔ ہے تو یہ عجیب چیز، اور سیارے جیسی، بل کہ کیمرے جیسی بھی ہے، مگر حقیقت میں نہ یہ سیارہ ہے اور نہ ہی کیمرا، لیکن قدرت نے اسے ہمارے جسم میں مناظر اور تصویریں جمع کرنے کے لیے ہی لگایا گیا ہے۔''

''ہمارے جسم میں!؟''

گولو عمر نے حیرت سے کہہ کر اُپنے بدن کو بغور دیکھا کہ آخر ایسی عجیب رنگین شے کہاں لگی ہوئی ہے، مگر اُسے ایسی تو کوئی شے کہیں نظر ہی نہیں آئی۔

''چچا جان! میں نے اپنا اور اِن سب کا بھی معاینہ کرلیا، مگر ایسی تو کوئی چیز ہمارے بدن میں نہیں ہے، جب کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ عجیب سی چیز ہمارے بدن میں لگی ہوئی ہے۔'' گولو عمر نے اپنا مشاہدہ پیش کیا۔

''بات تو ٹھیک ہے بھئی کہ ایسی عجیب سی رنگین چیز تو ہمارے بدن میں کہیں نظر نہیں آتی، ویسے اگر ایسی چیز ہمارے جسم پر نظر آرہی ہوتی تو ہم شاید کوئی روبوٹ لگتے یا پھر کوئی خلائی مخلوق!''

چچا کی بات سن کر سب کو ہنسی آگئی، مگر بات تو اَبھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

''ہم تو اِنسان ہیں، یعنی اشرف المخلوقات! اور جو چیز اَشرف ہو، پیاری ہو، عزیز ہو، اسے تو بہت لاڈ سے بنایا، سنوارا اور سجایا جاتا ہے نا! اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی ہمیں بڑے لاڈ سے بنایا ہے۔ ہمارے ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان، ناک وغیرہ، ہر ہر چیز بہت پیاری، مکمل اور اپنی مخصوص جگہ پر بنائی ہے۔ اگر یہ ساری چیزیں آگے پیچھے ہوتیں یا ہوتی ہی نہیں یا پھر ٹیڑھی میڑھی لگی ہوتیں تو ذرا آنکھیں بند کر کے سوچو، ہم کیسے لگتے؟''

چچا جان نے اتنا کہا اور اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ بچوں نے بھی ان کی تقلید کی اور آنکھیں بند کر کے تصور کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد ایک کے بعد ایک آواز تجربہ گاہ میں گونجنے لگی:

''ہائے اللہ! میں اتنا عجیب سا نہیں ہوں۔''

''توبہ! استغفر اللہ!''

''امی جی! میں تو بالکل کوئی خلائی مخلوق لگ رہا ہوں۔''

ایسے مختلف جملے کہتے ہوئے سب بچے آنکھیں کھول رہے تھے اور بغور چچا جان کو دیکھ رہے تھے، جو اُن سب کی باتوں

سے لطف اندوز ہو کر مسکرا رہے تھے۔

''دیکھا آپ نے، ذرا سا سوچنے پر ہی ہمیں اپنا آپ ہی کیسا عجیب لگنے لگا۔ اب اگر حقیقت میں ہم ایسے ہوتے تو کیا ہوتا؟''

''اللہ نہ کرے! امی کہتی ہیں: اچھی اچھی باتیں سوچنی چاہییں اور اچھی اچھی باتیں کرنی چاہیں۔''

سعد نے اپنے مخصوص انداز میں استغفر اللہ بول کر جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے بھئی، اب ہم سعد کی بات مان کر اچھا اچھا سوچیں گے اور اچھا اچھا بولیں گے۔

چلیں، اب دیکھیں، یہ جو نقشہ ہے یہ ہماری آنکھ ہے۔''

''اوہ! تو یہ ہماری آنکھ ہے۔ ہماری آنکھ اندر سے ایسی ہے!؟''

گولو عمر نے حیرت سے کہا۔

''جی، نسوں وغیرہ کی تہ ہیں، پردہ ہے۔ پردے کے علاوہ اور بہت سی اہم چیزیں ہیں۔

دیکھیں، آنکھ کو اللہ رب العزت نے ہمارے بدن میں کیمرے کی طرح لگایا ہے۔ جب یہ کسی چیز کو دیکھتی ہے تو اُس کی پوری تفصیل دماغ تک پہنچاتی ہے اور وہ چیز آنکھ کے پردے کے پیچھے محفوظ ہو جاتی ہے۔ جس طرح دوسری چیزوں کی حفاظت کے لیے کسی نہ کسی حفاظتی بند کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح آنکھ کی حفاظت بھی اہم تھی، اس لیے اللہ رب العزت نے اس کے اوپر نیچے کے حصے پر یہ پلکیں لگا دیں، جو ڈھکن یا دروازے کے پٹ کی طرح کام کرتی ہیں۔ جس طرح آنکھ، کان اور ناک باقاعدہ ایک مقصد کے تحت ہمارے چہرے کا حصہ ہیں، ٹھیک اسی طرح بھنویں اور پلکیں بھی ہمارے جسم کی ضرورت ہیں۔

ماہرین کے مطابق یہ پلکیں ہماری آنکھوں پر غیر ضروری نمی اور روشنی آنے سے روکتی ہیں، جس سے ہمیں دیکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ پلکیں، آنکھوں کی حفاظت کرتی ہیں۔ جب بھی کوئی ایسی چیز، جو ہماری آنکھوں کو نقصان پہنچا سکتی ہے، آنکھوں کی طرف آتی ہے تو پلکیں آنکھوں میں اس نقصان دہ چیز کو جانے سے روکتی ہیں اور اپنے بالوں میں ہی جکڑ لیتی ہیں۔ اگرچہ پلکوں پر چند بال ہی ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی ان کی ساخت آنکھوں کی حفاظت کے لیے بہترین ہے، اسی لیے کہتے ہیں: نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں!''

چچا رازی نے بچوں کو پلکوں کی اہمیت کے بارے میں بتایا تو سب بچے حیرت کے سمندر میں ڈوبتے چلے گئے۔

''چچا جان! مطلب یہ ہوا کہ اگر یہ پلکیں آنکھوں پر نہ ہوتیں تو ہر چیز ہماری آنکھوں میں چلی جاتی اور پھر اُس سے آنکھوں کو کتنی تکلیف ہوتی، اس کا تو صرف سوچ کر ہی ابھی سے درد ہو رہا ہے۔''

فہد نے آنکھوں کو مسلتے ہوئے کہا، جیسے اسے واقعی تکلیف محسوس ہو رہی ہو۔

''جی بچو! اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہر چیز ہمارے لیے بہت اہم ہے اور ہمیں ہر نعمت کا اللہ جی کو جواب بھی دینا ہے کہ ہم نے اسے کیسے استعمال کیا، اسے ضائع کیا یا اس کی قدر کی۔

اور معیز! آپ دیکھیں، پلکیں نوچنے کی وجہ سے آپ کی آنکھیں بھی ایسے سُوج کر باہر آ گئی ہیں جیسے مینڈک کی آنکھیں۔ کیا آپ کو پلکیں نوچنے سے تکلیف نہیں ہوتی؟''

''جی تکلیف ہوتی ہے اور آنکھوں سے پانی بھی نکلتا ہے۔''

معیز نے نظریں جھکا کر کہا۔

''تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ خود کو اپنے ہی ہاتھوں سے تکلیف دیتے ہو۔ اگر آپ ایسا ہی کرتے رہے اور آپ کی پلکیں ختم ہو گئیں تو آنکھوں کو بھی شدید نقصان پہنچے گا اور آپ کی بینائی بھی متاثر ہو سکتی ہے۔''

چچا کی بتائی ہوئی ساری باتیں سُن کر معیز سوچ میں پڑ گیا اور معیز کے ساتھ باقی سب بچوں نے بھی پکا ارادہ کیا کہ کبھی بھی نہ کسی دوسرے کو تکلیف دیں گے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کسی نعمت کی ناقدری کریں گے۔

# دو دوست

حُسن آرا۔ ملکوال

پیارے بچو!

یہ کہانی ہے دو ننھے منے دوستوں کی، جو کہ میمنے تھے۔ ایک کا نام میمو تھا اور دوسرے کا نام بھورو تھا۔

وہ دونوں ہرے بھرے جنگل میں رہا کرتے تھے۔ بھورو میمنا اچھی عادات کا مالک تھا۔ میمو میمنا ہمیشہ اکیلے کھاتا پیتا تھا، وہ اپنے کھانے میں سے بھورو کو کچھ بھی نہیں دیتا تھا، جب کہ بھورو اپنا کھانا ہمیشہ اس کے ساتھ بانٹ کر کھاتا تھا۔ میمو جامن کے درخت کے نیچے کھڑا تازہ پتے کھا رہا تھا۔ وہاں اگی ہوئی گھاس بھی اس کی پسندیدہ گھاس تھی۔ اتنے میں اس کی نظر بھورو پر پڑی۔

''مجھے یہ والی گھاس کھانی ہے۔''

بھورو نے یہ کہہ کر درخت کے نیچے اگی ہوئی ہری گھاس اور پتوں کی طرف اشارہ کیا۔

''جی نہیں، یہ تو میرا کھانا ہے۔ تم یہ نہیں کھا سکتے۔''

میمو نے منہ بنا کر کہا اور زور سے پاؤں جما کر کھڑا ہو گیا، تا کہ میمو وہ گھاس اور پتے نہ کھا سکے۔

’’کیوں؟ یہ گھاس اور پتے تو سب کھا سکتے ہیں۔ مجھے بھی ناشتا کرنا ہے۔‘‘ بھورو نے ناراضی سے کان پیچھے کی طرف جھکاتے ہوئے کہا۔

’’یہ سب میرا ہے، تم کہیں اور چلے جاؤ!‘‘

میمو میمنے نے چلّا کر کہا۔

یہ سن کر بھورو نے ایک نظر گھاس کو دیکھا، پھر اپنے خودغرض دوست کو اور دُور ایک پتھر پر جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں سامنے سے ایک زیبرا آیا۔ اس نے میمو کو زور سے دھکا دیا۔

’’آہ! اوہ......تم! تم نے مجھے گرایا ہے۔ میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔‘‘ میمو، جو دھکے سے ایک طرف گر گیا تھا، نے اٹھتے ہوئے غصے سے کہا۔

’’ہاہاہا! مجھے مار کر دیکھو۔ تم تو مجھے پکڑ ہی نہیں سکتے۔‘‘

چھوٹے زیبرے نے ہنستے ہوئے کہا اور تیزی سے بھاگنے لگا۔

’’اچھا، یہ بات ہے! یہ دیکھو پھر۔‘‘ میمو نے بھی یہ کہہ کر زیبرے کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

دونوں دوڑتے ہوئے کانٹے دار جھاڑیوں کے پاس پہنچ گئے۔

میمو نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ اِدھر اُدھر دیکھا۔ چھوٹا زیبرا کہیں بھی نہیں تھا۔ شاید وہ کہیں آگے جا کر چھپ گیا تھا۔

’’ہونہہ! ایک بار مل جائے، پھر بتاؤں گا۔ گندا زیبرا!‘‘

میمو نے ایک جھاڑی کو پاؤں سے ٹھوکر ماری۔ کچھ کانٹے اس کے پاؤں میں کُھب گئے۔ اس کا درد سے بُرا حال ہو گیا۔

’’آہ، آہ! کانٹے! میری ٹانگ میں بھی کانٹا، وہ بھی اتنا بڑا!‘‘

میمو روتے ہوئے چلّا رہا تھا۔ اس کی دائیں ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا۔ بھورو کو میمو کی آواز آئی تو اُس نے سوچا کہ اسے میمو کی مدد کرنی چاہیے۔

’’لیکن! میں تو اُس سے ناراض ہوں۔ یہ اچھا دوست نہیں ہے۔ اس نے میرے ساتھ اتنا بُرا سلوک کیا تھا۔‘‘

بھورو نے یہ سوچ کر اُس کی طرف قدم بڑھا ہی دیے۔ اس کے پاؤں اور ٹانگ سے کانٹے نکالے اور اُسے اس کے گھر چھوڑ آیا۔

دوسرے دن بھورو کی امی نے کہا:

''چلو بیٹا! میمو کی عیادت کرنے چلتے ہیں۔''

''نہیں امی! میں نہیں جاؤں گا۔''

''مگر کیوں؟''

''آپ کو نہیں پتا! وہ اچھا دوست نہیں ہے۔ میری اس سے لڑائی ہوئی ہے اور میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ بس!''

''ہیں! لڑائی! مگر کب؟''

امی نے حیرانی سے پوچھا، پھر کہنے لگیں:

''اچھا، چھوڑو اِس ناراضی کو۔ ابھی تو ہم دونوں کو اُس کی خیریت معلوم کرنی چاہیے۔''

امی نے بھورو کو سمجھایا تو وہ بھی ان کے ساتھ چل دیا۔

جب میمو نے اپنے دوست بھورو کو دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اپنے گزشتہ رویے پر شرمندہ تھا۔

''میمو بیٹا! میں آپ دونوں کی ناراضی ختم کروا کر دوستی کروانے آئی ہوں۔ مجھے بھورو نے ساری بات بتادِی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ دونوں کو آپس میں مل جل کر رہنا چاہیے اور ہر چیز مل بانٹ کر کھانی چاہیے۔ اب ایک دوسرے سے گلے ملو۔''

میمو نے بھورو سے معافی مانگی اور اُس سے گلے ملا۔ بھورو نے بھی اسے معاف کر دیا۔

''میمو! اب تمھاری ٹانگ کیسی ہے؟''

بھورو نے پوچھا۔

''ہمم! کچھ بہتر ہے۔ درد اَبھی بھی ہو رہا ہے۔''

میمو نے اداسی سے جواب دیا۔

''اوہ! کوئی بات نہیں، ٹھیک ہو جائے گا۔ تم روزانہ مرہم لگاتے رہو اور دوائی کھاتے رہو تو درد محسوس نہیں ہو گا۔ آؤ، باہر چلتے ہیں۔''

باہر جا کر بھورو بھاگنے لگا، پھر اُسے کچھ یاد آیا اور اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ میمو آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

یہ دیکھ کر بھورو جلدی سے واپس آیا اور اُسے سہارا دیتے ہوئے کہنے لگا:

’’چلو، دونوں ایسے ہی چلتے ہیں۔ میرا بھی تمھاری طرح چلنے کا دِل چاہ رہا ہے۔‘‘

میمو نے اپنے دوست کو بھی لنگڑا کر چلتے ہوئے دیکھا تو زور سے ہنس پڑا اور سوچنے لگا:
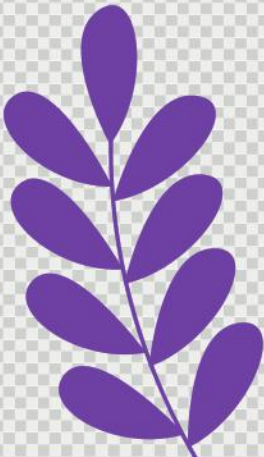
’’یہ تو بہت اچھا دوست ہے۔ میرا خیال ہے اس سے اچھی اور پکی والی دوستی کر ہی لینی چاہیے اور گھاس مل کر کھانے میں کوئی ہرج نہیں!‘‘

ہاں تو پیارے دوستو! کیا آپ بھی میمو اور بھورو کی طرح ایک دوسرے کے اچھے دوست بنیں گے؟

## راستہ تلاش کیجیے

# کلونجی

سعد علی چھیپا۔ کراچی
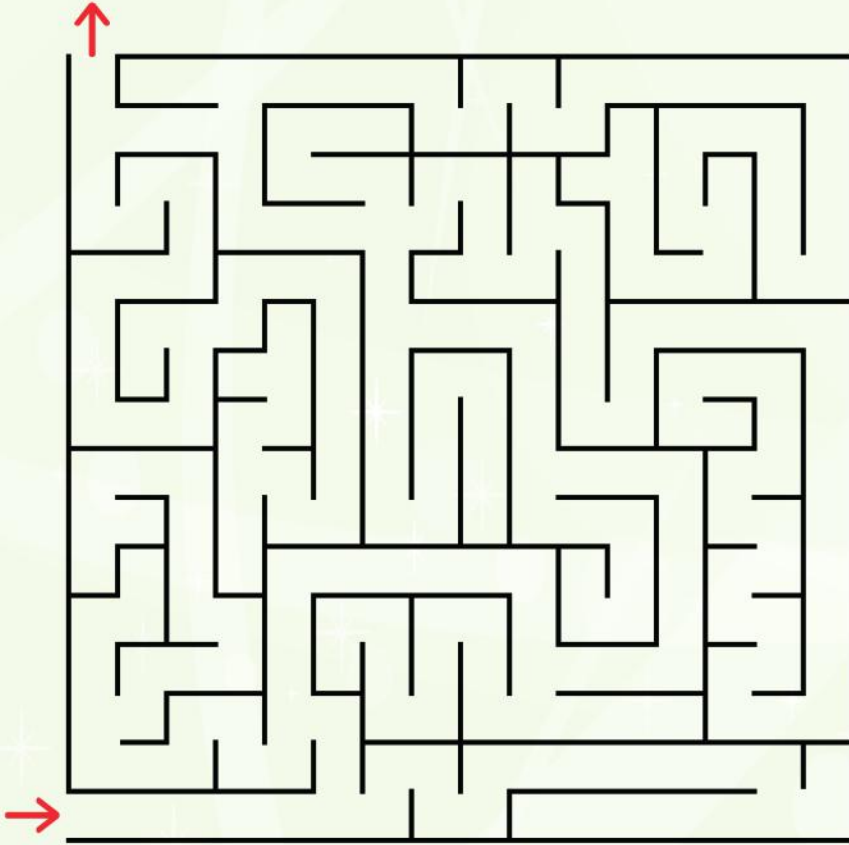
آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''کلونجی کے دانے میں سوائے موت کے ہر مرض کا علاج ہے۔''

(صحیح البخاری، باب الحبۃ السوداء: ۷/۱۲۴)

کلونجی ایک فائدہ مند مسالا ہے۔ کلونجی مختلف قسم کے کھانوں میں بھی استعمال ہوتی ہے۔

کلونجی کے بیج خام ریشوں، امینو ایسڈ، آئرن، سوڈیم، کیلشیم اور پوٹاشیم کا ایک پورا خزانہ ہیں۔ کلونجی وٹامن سے بھی بھر پور ہے، جن میں وٹامن۔ اے، بی اور سی شامل ہیں۔

کلونجی کے دیگر فوائد:

☆ کلونجی کے سب سے معروف فوائد میں سے ایک ذیابیطس کو کنٹرول کرنا ہے۔

☆ کلونجی کے بیج ذہانت کو بڑھانے میں مدد کرتے ہیں۔

☆ کلونجی جسمانی میٹابولزم کو بڑھانے میں مدد کرتی ہے۔

☆ کلونجی کے استعمال سے جوڑوں کے درد سے آرام ملتا ہے۔

☆ کلونجی دل کے لیے بہت موثر ہے۔ یہ جسم میں موجود خراب کولیسٹرول کی سطح کو کنٹرول کر کے دل کو صحت مند رکھتی ہے۔

☆ کلونجی دانتوں کی تکلیف، جیسے مسوڑھوں کی سوجن یا خون بہنے اور دانتوں کے کمزور ہونے کی دیکھ بھال کے لیے بہت مفید ہے۔

☆ کلونجی میں اینٹی انفلامیٹری خصوصیات ہیں، جو مختلف دائمی سوزش میں مفید ہیں۔

☆ کلونجی، دمے کے مریض کے لیے بہت مفید ہے۔

☆ کلونجی، جلد کو صحت مند رکھنے میں مدد کرتی ہے۔

☆ کلونجی بالوں کو مضبوط بنانے اور بالوں کو گرنے سے بچانے کے لیے غذائی اجزا سے بھر پور ہے۔

☆ کلونجی کا تیل قوت مدافعت کو مضبوط بنانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

نوٹ: کلونجی کے کوئی مضر اثرات نہیں ہیں، تاہم جب زیادہ مقدار میں استعمال کیا جائے تو یہ خون میں شوگر کی کم مقدار یا کم بلڈ پریشر کا باعث بن سکتی ہے۔

# آزاد کشمیر ہوگا

مسلماں سے آباد کشمیر ہوگا
بہت جلد آزاد کشمیر ہوگا

گھٹا کفر کی اب گھٹے گی ، چھٹے گی
کہ ایمان سے شاد کشمیر ہوگا

جہاں بھی چلا جائے مردِ مجاہد
اسے ہر جگہ یاد کشمیر ہوگا

کرے گا تُو پرواز ، آزاد ہوکر
خجل تیرا صیاد ، کشمیر! ہوگا

ہیں جب اس کے رکھوالے زندہ جہاں میں
تو کس طرح برباد ، کشمیر ہوگا

مثالِ جبل جب کہ تیرے مکیں ہیں
نہ کیوں رشکِ فولاد ، کشمیر ہوگا

بتوں کے پجاری کی تقدیر خواری
سو تحفۂ خداداد کشمیر ہوگا

اثر جون پوری۔کراچی

# اچھی والی نماز

مریم شہزاد۔ کراچی

عائشہ آج پھر بے دلی سے نماز پڑھ رہی تھی۔ وہی ڈھیلے پن سے کھڑی ہوئی، جلدی جلدی رکوع اور قیام کیا اور پھر ہاتھوں کو گھسیٹتی ہوئی سجدے میں چلی گئی۔ ایک سجدہ لمبا کرلیا اور دوسرا اتنا چھوٹا کہ بس ماتھا زمین پر لگایا اور اُٹھ کر بیٹھ گئی، پھر چند لمحوں میں ہی سلام بھی پھیر لیا۔ دادی جو ساتھ ہی بیٹھی دیکھ رہی تھیں، نے ایک زوردار دھموکا اس کی کمر پر رسید کیا اور بولیں:

’’آرام سے بی بی! آرام سے، یہ نماز ہورہی ہے: تُو چل میں آیا، تُو چل میں آیا۔ ایسے پڑھتے ہیں نماز!؟‘‘

عائشہ کو دادی کے اس طرح کہنے پر ہنسی آ گئی، مگر اَبھی پہلے دھموکے سے کمر سیدھی نہیں ہوئی تھی اور دوسرا کھانے کا موڈ نہیں تھا، لہٰذا وہ دادی سے لاڈ سے بولی:

’’دادی! میں کوئی بوڑھی تھوڑی ہوں، جلدی جلدی اٹھ بیٹھ سکتی ہوں اور میری رفتار بھی بہت تیز ہے پڑھنے کی۔‘‘

’’اچھا، کتنی تیز ہے؟ ذرا الحمد شریف سناؤ۔ جس طرح نماز میں پڑھتی ہو، اتنی ہی تیزی سے۔‘‘

’’ڈانٹیں گی تو نہیں نا!؟‘‘ عائشہ نے معصومیت سے پوچھا۔

’’ابھی بتاتی ہوں تمھیں۔‘‘ دادی نے آنکھیں دکھائیں۔ ’’سناؤ جلدی۔‘‘

اور عائشہ نے پوری رفتار سے اس طرح الحمد شریف سنائی کہ ایک لفظ کیا، ایک حرف بھی سمجھ میں نہیں آیا، اور بولی:

’’اب جاؤں، بہت کام ہے۔‘‘

اور دادی کا جواب سنے بغیر اُڑن چھو ہوگئی۔ دادی اپنا سر پکڑ کر رہ گئیں۔

آج بھی عائشہ نے نماز شروع ہی کی تھی کہ اسے محسوس ہوا کہ کوئی پاس آ کر بیٹھا ہے۔ اس نے سوچا کہ آ گئیں دادی اور بجائے اس کے کہ وہ آرام سے نماز پڑھتی الٹا وہ بھول گئی کہ کون سی رکعت پڑھ رہی تھی۔ سلام پھیرتے ہی ایک بار پھر اُس کی کھچائی ہوگئی۔

چند دِن سے دادی کی طبیعت گِری گِری سی تھی، ورنہ ان کی صحت تو اس عمر میں بھی قابل رشک تھی۔ آخر اپنا اتنا خیال جو رکھتی تھیں۔ انھیں کبھی زیادہ مرچیں یا اضافی کھانا پینا کرتے نہیں دیکھا گیا تھا۔ اپنا کام خود کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ انھیں اپنے آپ کو چاق و چوبند رکھنے کا ہنر آتا تھا۔ کبھی بھی ان کے منہ سے نہیں سنا گیا تھا کہ ان کے گھٹنوں میں تکلیف ہے یا سر میں درد ہے۔ صاف ستھری رہتیں، روزانہ رات کو گھٹنوں، پاؤں اور ہاتھوں پر تیل کی مالش کرتیں، رات کو آنکھوں میں سرمہ بھی ضرور لگاتیں۔ بالوں میں تیل بھی مناسب مقدار میں ہوتا تھا، مگر اَب انھیں اس طرح نڈھال دیکھ کر سب کو تکلیف ہورہی تھی۔ عائشہ بھی خاصی پریشان تھی۔ اگرچہ دادی اسے اکثر ڈانٹتی رہتی تھیں، مگر اُس سے پیار بھی تو بہت کرتی تھیں۔

آج وہ دادی کے کمرے میں گئی تو دادی لیٹی

ہوئی تھیں۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ دادی، جو کبھی نماز قضا نہیں کرتی تھیں، پریشان لیٹی ہوئی تھیں۔ عائشہ دادی کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور اُن کا سَر دبانے لگی۔ دادی نے پوچھا:

''نماز پڑھ لی؟''

''جی دادی!'' اس نے جواب دیا۔

''میں نے نہیں پڑھی۔ آج تو کھڑے ہو کر کیا، بیٹھ کر بھی پڑھنے کی ہمت نہیں ہو رہی۔'' وہ تکلیف سے بولیں۔

عائشہ نے پریشان ہو کر پوچھا:

''پھر آپ کیا کریں گی؟''

''ایسا کرو، میری کمر کے پیچھے تکیہ رکھ کر بٹھا دو، وضو تو ہے میرا، فرض تو پڑھ ہی لوں گی۔''

عائشہ نے ان کی مدد کی اور اُنھیں بٹھا دیا۔ جب وہ نماز پڑھ چکیں تو اُنھیں واپس ان کی جگہ پر لٹا دیا۔ دادی نے کہا:

''میری عائشہ پریشان کیوں ہے؟''

''دادی ایسے کیسے نماز پڑھی گئی؟''

دادی نے کہا: ''بیٹا! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اللہ تعالیٰ نے پڑھا دی۔ میں تمھیں آرام سے نماز پڑھنے کا کہتی ہوں تو اِسی لیے کہ ابھی تو تم صحت مند ہو، آرام سے رکوع سجدہ کر سکتی ہو اور اللہ تعالیٰ کو بندے کا سجدہ بہت محبوب ہے۔ ہم لوگ جلدی جلدی نماز تو پڑھ لیتے ہیں، لیکن جیسے امتحان میں کوئی کام یاب ہوتا ہے کوئی ناکام اور کوئی اول بھی آتا ہے تو ہم اسی طرح پاس تو ہو جائیں گے، مگر اول نہیں آسکیں گے۔ تم سمجھ رہی ہو نا!''

''جی دادی! دادی! بہت مشکل ہوتا ہے نا آپ کے لیے اس طرح نماز پڑھنا، لیکن آپ پریشان نہ ہوں، آپ جلدی ٹھیک ہو جائیں گی تو اچھی والی نماز پڑھیں گی۔ آپ تو ہمیشہ اچھی والی نماز پڑھتی تھیں نا تو آپ سے تو اللہ تعالیٰ ناراض نہیں ہوں گے نا!''

''نہیں میرا بیٹا! اللہ تعالیٰ بہت رحیم وغفور ہے، اس نے اپنے بندوں کے لیے آسانیاں ہی آسانیاں رکھی ہیں۔ جو میرے اچھے والے سجدے تھے پیارے اللہ تعالیٰ اب بھی وہی دیکھیں گے۔''

اور اَب عائشہ نے بھی عہد کیا کہ وہ اچھی طرح نماز پڑھے گی، تاکہ وہ بھی اچھی نماز پڑھنے والی بن جائے اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائیں۔

## سوال آدھا، جواب آدھا ۳۹ کے درست جوابات

1. منزل نمبر 1۔
2. 1540۔
3. سلطان فتح علی ٹیپو شہید۔
4. مدینہ منورہ۔
5. مرثیہ نگاری۔
6. رحیم یار خان۔
7. 2، مارچ 1992ء۔
8. ملاوی، موزمبیق اور تنزانیہ۔
9. خوردبین سے دکھائی دینے والے جان داروں (بیکٹیریا، جراثیم وغیرہ) کا علم۔
10. فضول باتیں کر کے کسی کو پریشان کرنا۔

## ذوقِ معلومات (۸۳) کا درست جواب

☆ملیریا

# شگوفے

## قارئین

☆ استاد (شاگرد سے): ''انڈے اور ڈنڈے میں فرق بتاؤ؟''

شاگرد: ''سر! کوئی فرق نہیں۔''

استاد (حیران ہوکر): ''وہ کیسے؟''

شاگرد: ''سر! وہ اس طرح کے دونوں ہی جسم کو گرم کرتے ہیں، انڈا جسم کے اندر جا کر اُسے گرم کرتا ہے اور ڈنڈا جسم کو باہر سے گرم کرتا ہے۔''

☆ ریل گاڑی کے آنے میں تاخیر تھی۔ ایک صاحب انکوائری پر پہنچے اور غصے سے پوچھا:

''اگر گاڑیاں تاخیر سے ہی آتی ہیں تو پھر اُن کی آمدورفت کا اوقات نامہ لگانے سے کیا فائدہ؟''

''جناب! اگر گاڑیاں وقت پر آنے لگیں تو پھر آپ پوچھیں گے کہ انتظار گاہ کا کیا فائدہ؟''

(محمد عفان۔ کراچی)

☆ ایک مریض گھبرایا ہوا ڈاکٹر کے پاس آیا اور بولا:

''ڈاکٹر صاحب! رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے ایک بہت بڑا تربوز کھایا ہے۔''

ڈاکٹر نے اسے تسلی دیتے ہوئے پوچھا:

''تو اِس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟''

مریض نے فوراً کہا:

''جناب! پریشانی کی بات یہ ہے کہ جب میں صبح سو کر اُٹھا تو بستر سے میرا تکیہ غائب تھا۔''

☆ ماں نے بیٹے سے پوچھا:

''تم رو کیوں رہے ہو؟''

بیٹا: ''آج ماسٹر صاحب نے مجھے ڈانٹ کر کمرۂ جماعت سے باہر نکال دیا تھا۔''

ماں: ''تم نے ضرور کوئی شرارت کی ہوگی۔''

بیٹا: ''یقین کیجیے امی جان! میں تو سویا ہوا تھا۔''

(مہدیہ بنت محمد احسن۔ کراچی)

☆ اکبر بال کٹوا رہا تھا کہ اچانک نائی، قینچی کے بجائے ایک مقناطیس اس کے بالوں میں پھیرنے لگا۔ اکبر نے حیران ہوکر پوچھا:

''یہ تم کیا کر رہے ہو؟'' نائی بولا:

''خاموش رہو، میری قینچی تمھارے بالوں میں کھوگئی ہے۔''

☆ ایک شخص جنگل میں راستہ بھٹک گیا۔ اچانک خوف ناک شیر دکھائی دیا۔ شیر کی صورت دیکھ کر وہ بہت گھبرایا اور دُعا مانگنے کے لیے زمین پر گر گیا۔ جب کچھ دیر بعد ڈرتے ڈرتے سر اُٹھایا تو دیکھا کہ شیر بھی سجدے کی حالت میں ہے۔ اس شخص نے بڑبڑاتے ہوئے کہا:

''ارے، میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ مجھے کھا جائے گا، لیکن میرے ساتھ اسے بھی سجدہ کرتے دیکھ کر مجھے خوشی ہو رہی ہے۔'' اس کی بڑبڑاہٹ سن کر شیر بولا:

''خاموش رہو، میں بھوکا تھا اور تم مجھے مل گئے، اس پر میں سجدۂ شکر اَدا کر رہا ہوں۔''

(ایمن فاطمہ۔ حیدرآباد)

☆ ایک کلرک نے اپنے افسر کو کھانے پر بلایا۔ کلرک نے اس کی خوب تواضع کی، جس پر اَفسر بہت خوش ہوا۔ کلرک نے سوچا، اب اس کی ترقی ہوجائے گی۔ جب افسر کھانا کھا کر جانے لگا تو کلرک کا بچہ آیا اور کہنے لگا:

''ابا جی! یہ انکل اتنے موٹے تو نہیں ہیں، پھر آپ انھیں گینڈا کیوں کہتے ہیں!؟''

(محمد شاہد۔ کوئٹہ)

''کیوں شور مچا رکھا ہے؟'' ایک سپاہی نے تنویر کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ...... یہ دانش، حمزہ کو مار ڈالے گا، اندر آیئے۔''

کچھ دیر بعد تین سپاہی کوٹھڑی نما کمرے میں موجود تھے۔ دانش ابھی تک غصے سے بھرا ہوا تھا۔ وہ مسلسل حمزہ کو گھور رہا تھا۔

''چلو، بہت ہو چکی بدمعاشی، شیر خان تم جیسوں کو ٹھیک کرنے کا ہنر خوب جانتا ہے، چلو۔'' ایک سپاہی نے دانش کا بازو پکڑ کر کہا۔

''میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا، یہ میرے بہنوئی کا قاتل ہے، میں اسے معاف نہیں کروں گا۔'' دانش کسی صورت وہاں سے جانے کے لیے تیار نہ تھا۔

''تم حمزہ کو معاف کرو یا نہ کرو، تمھاری بہن نے اسے معاف کر دیا ہے۔'' تنویر بولا۔

''میں بہن کے فیصلے کو نہیں مانتا، یہ قاتل ہے، قاتل ہے۔'' دانش چلّایا۔

کچھ دیر بعد دانش جیل سپریٹنڈنٹ شیر خان کے سامنے کھڑا تھا۔

شیر خان نے اس کے گرد گھوم کر ایک چکر لگایا۔

''کیا جیل کے ماحول کو خراب کرنا چاہتے ہو؟'' شیر خان نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی کو گھماتے ہوئے سوال کیا۔

''نہیں، میں ایسا نہیں چاہتا۔'' دانش نے جواب دیا۔

''تو پھر یہ دنگا فساد کس لیے؟''

''حمزہ نے میرے بہنوئی جواد کو قتل کیا ہے، میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' دانش کی آواز قدرے بلند تھی۔

''شوق سے ایسا کرو، منع کس نے کیا ہے، مگر سوچ لو، اس کے بعد تمھارے گھر والوں کا کیا ہوگا؟ ابھی تو ہوسکتا ہے کہ بلال کے والدین تمھیں معاف کر دیں۔ حمزہ کو مار ڈالو گے تو سیدھے پھانسی کے پھندے تک جا پہنچو گے۔ دیکھ لو، فیصلہ تمھارے ہاتھ میں ہے، حمزہ کو معافی مل چکی ہے، عدالتی کارروائی مکمل ہو چکی ہے، اب ایسا کرو گے تو عقل مند تو نہیں کہلاؤ گے۔''

شیر خان نہیں چاہتا تھا کہ دانش غلط قدم اٹھائے۔ دانش سر جھکائے کھڑا تھا۔

''اسے بیرک نمبر ۳ میں بند کر دو۔ اسے مارا پیٹا نہ جائے، میں صبح اس سے دوبارہ ملوں گا۔'' شیر خان کے حکم پر سپاہی

دانش کو لے گئے۔

دانش اس وقت بیرک نمبر ۳ میں اکیلا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ بلال اس کے سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔

''بلال! تم؟'' دانش اتنا ہی کہہ سکا۔

''ہاں میں، تمھارا دوست بلال۔ آؤ، باہر چلتے ہیں۔'' بلال نے دانش کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تو وہ ایک دم پرے ہٹ گیا۔

''میں تو قید میں ہوں، میں تمھارے ساتھ نہیں جا سکتا، میں نے تمھیں جان بوجھ کر تو گولی نہیں ماری تھی؟''

''نہیں تو، ایسا تو مذاق میں ہوا تھا۔'' بلال بولا۔

''میں تمھارے قتل کی وجہ سے قید میں ہوں۔ میں بے قصور ہوں، بے گناہ ہوں۔''

دانش نے بلند آواز میں اتنا کہا تو بلال یک دم غائب ہو گیا۔

''بلال! بلال! تم کہاں چلے گئے ہو؟ میری بات سنو، میں نے جان بوجھ کر تمھیں گولی نہیں ماری۔ میرے سامنے آؤ، مجھ سے بات کرو، آ جاؤ، میرے پیارے دوست!'' یہ کہتے ہوئے بلال رو دِیا۔ وہ کافی دیر تک روتا رہا۔

وہ ابھی رو ہی رہا تھا کہ نمازِ فجر کی اذان اس کے کانوں میں پڑی۔ وہ توجہ سے اذان سننے لگا۔ ایک سپاہی پہرے پر موجود تھا۔ وہ وقفے وقفے سے بیرک کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ دانش نے آنسو پونچھے اور سپاہی کو مخاطب کیا:

''میں وضو کرنا چاہتا ہوں۔''

دانش کی بات سن کر سپاہی نے معنی خیز اَنداز میں دانش کو گھورا، جیسے اسے دانش کی بات پر یقین ہی نہ آ رہا ہو۔

''ضرور وُضو کرو، آ جاؤ۔'' یہ کہہ کر سپاہی نے بیرک کا تالا کھول دیا۔

کچھ دیر بعد دانش ایک عرصے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ اسے دلی سکون

مل رہا تھا۔ نماز پڑھنے کے بعد اُس نے گڑگڑا کر دُعا مانگی۔ اب وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

جب شیر خان اس سے ملنے آیا تو دانش کی سوچ یک سر بدل چکی تھی۔ بدلہ لینے کی تڑپ رکھنے والے نے حمزہ کو معاف کر دیا تھا۔ شیر خان کو جب دانش کے جذبات کا علم ہوا تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے دانش کے کندھے پر ہاتھ رکھا:

''معاف کر دینا ہی زندگی کا حسن ہے، تم نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم خود بھی بہت جلد معافی ملنے پر یہاں سے رِہا ہو جاؤ گے۔ تم نے دوسرے کے لیے معافی کا دروازہ کھولا ہے تو تمھارے لیے بھی معافی کا دروازہ کھلے گا، بہت جلد یہ دروازہ کھلے گا، ان شاءاللہ!''

......☆......

رہائی ملنے کے بعد حمزہ، جواد کے گھر والوں سے ملا۔ ان کے اخراجات اٹھانے بات کی تو جواد کے ابو نے کہا:

''آپ یہاں آئے، ہمارے اخراجات اٹھانے کی بات کی، اس کے لیے ہم بہت ممنون ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے خزانوں سے خوب عطا کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، ہم آپ سے کچھ نہیں لیں گے۔''

حمزہ کے پاس اب کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ وہ اور اُس کی بیگم وہاں سے چلے آئے۔ عائشہ اس وقت خوش ہوئی تھی جب بلال کی امی جان نے فون کیا تھا:

''ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ دانش کو معاف کر دیا جائے۔''

''شکر، الحمدللہ! شکر، الحمدللہ!'' عائشہ بے اختیار بولی۔

عدالتی کارروائی کے بعد دانش اپنے گھر والوں کے ساتھ تھا۔

صلح اور معافی کی خوشی دیدنی تھی۔ معافی نے صلح کو مسکراتے ہوئے دیکھا:

''مبارک ہو!''

''تمھیں بھی مبارک ہو، ہماری کام یابی پر ملکہ نیکی بھی بہت خوش ہوں گی، آؤ، نیکی نگر چلتے ہیں۔'' صلح نے جواب دیا۔

......☆......

صلح اور معافی، نیکی نگر میں داخل ہوئیں تو اُن کا شان دار انداز میں استقبال کیا گیا۔ سچ نے آگے بڑھ کر دونوں کو تازہ پھولوں کے ہار پہنائے۔ سب نیکیاں بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں۔ ملکہ نیکی نے دونوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

''اللہ تعالیٰ کا کرم شاملِ حال ہو تو ہر جگہ کام یابی ملتی ہے، ہم سب کو اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں فتح سے ہم کنار فرمایا۔''

اِدھر تو خوشیوں کے ڈیرے تھے، جب کہ دوسری طرف بدی پورہ میں ملکہ بدی غصے کے عالم میں دربار میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ اسے لڑائی اور غصے کی ناکامی کا علم ہو چکا تھا۔ جب لڑائی اور غصہ، ملکہ بدی کے دربار میں آئے تو ملکہ نے انھیں ناخوش گوار انداز میں گھورا۔

''اگر اِسی طرح ناکامیوں کو اپنے ساتھ لیے آتے رہے تو بدی پورہ ختم ہو جائے گا۔ جو بدی بھی جاتی ہے ناکامی کو لیے واپس آ جاتی ہے۔ میں ناکامیوں سے عاجز آ چکی ہوں، میں نے بدی پورہ کی ایک ایک بدی کو آزما لیا ہے، اب میرے ہر طرف ناکامی کا اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔''

''میں ناکامی کو کامیابی میں تبدیل کروں گا، میں آپ کی اجازت کا منتظر ہوں۔'' حسد نے بآوازِ بلند کہا تو ملکہ بدی نے اسے بغور دیکھا۔

''حسد، میرا آزمایا ہوا تیر ہے، کیا اسے دوبارہ آزمالوں؟'' ملکہ بدی نے یہ کہتے ہوئے دربار میں بیٹھی بدیوں کو دیکھا۔

''میں اس کے ساتھ جاؤں گا تو بات بن جائے گی، ہم دونوں مل کر اِنسانوں کو بدی کے راستے پر لائیں گے۔ ملکہ عالیہ! ہمیں انسانوں میں جانے کی اجازت دے دیجیے۔'' یہ آواز جھوٹ کی تھی۔

حرام نے جھوٹ اور حسد کی بات کی تائید کی۔ لڑائی اور غصہ ابھی تک خاموش تھے۔ انھیں اپنی ناکامی کا ملال تھا۔ بے ایمانی نے دونوں کو حوصلہ دیا اور ملکہ بدی سے سفارش کرتے ہوئے کہا:

''دونوں کو ناکامی پر سزا نہ دی جائے، دونوں نے اپنے طور پر کوشش تو بہت کی ہے۔''

ملکہ بدی دربار کا ایک چکر لگا کر لڑائی اور غصے کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ دونوں کے گھبراہٹ کے مارے پسینے چھوٹ

گئے تھے۔

”جاؤ، آرام کرو، تم دونوں کو سزا نہیں دی جائے گی۔“

دونوں کے دربار سے جانے کے بعد ملکہ بدی نے باہم مشورے سے حسد اور جھوٹ کو اِنسانوں پر حملہ کرنے کے لیے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

دونوں کے بدی پورہ سے روانہ ہونے کی خبر نیکی نگر بھی جا پہنچی تھی۔ حسد کا مقابلہ کرنے کے لیے رشک اور جھوٹ کو مات دینے کے لیے سچ تیار تھا۔ دونوں نے مل کر ملکہ نیکی کی اجازت سے نیکی نگر سے اپنے سفر کا آغاز کیا۔

......☆......

عبداللہ اور اَحمد طویل فاصلہ طے کر کے سرائے میں پہنچے تھے۔ سرائے کا مالک سلیم ہاتھ منہ دھونے کے لیے پانی گرم کر رہا تھا۔ سرائے میں بہت کم مسافر ٹھہرتے تھے۔ سلیم نے اپنے گزر بسر کے لیے یہ سرائے بنائی تھی۔ اس کی بیوی مزے مزے کے کھانے بناتی تھی۔ ان کا ایک ملازم راجو تھا، جو اِن دنوں چھٹی پر تھا، اس لیے کھانا پکانے کے علاوہ سارے کام سلیم کو خود کرنا پڑ رہے تھے۔ کھانے کی خوش بُو نے عبداللہ اور اَحمد کی بھوک کو مزید بڑھ دیا تھا۔ کچھ دیر بعد سلیم نے دسترخوان پر کھانا چن دیا۔

”واہ! بہت مزے دار کھانا ہے۔“ عبداللہ نے کھانا کھاتے ہوئے تعریف کی۔ احمد خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔ جب دونوں سونے لگے تو سلیم نے کہا:

”نمازِ فجر کے وقت میں پانی گرم کر دوں گا۔ اگر رات کو کسی چیز کی ضرورت پڑے تو آواز دے دیجیے گا۔“

سلیم کے جاتے ہی دونوں لیٹ گئے۔ وہ چوں کہ دن بھر کے تھکے ہوئے تھے، اس لیے جلد ہی گہری نیند سو گئے۔ رات کے پچھلے پہر کوٹھڑی نما کمرے میں آہٹ ہوئی تو دونوں نے آنکھیں ملتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

(کمرے میں آہٹ ہونے کی کیا وجہ تھی؟
یہ جاننے کے لیے پڑھیے اگلی قسط)

# بقیہ: ایمان کا تقاضا

”سر! قادیانی تو بدترین کافر ہیں۔ یہ نہ صرف عقیدۂ ختمِ نبوت کے منکر ہیں، بل کہ آئینِ پاکستان کو بھی نہیں مانتے۔ دوسرے مذہب کے لوگوں کی اپنی پہچان ہے۔ عیسائی ہیں، یہودی، ہندو یا بدھ مت وغیرہ۔ کم از کم یہ مذاہب اسلام کے لبادے میں تو نہیں ہیں نا! ان کی اپنی پہچان ہے، گو قرآن کے مطابق یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے، مگر وہ مسلمان بن کر ہمیں نقصان نہیں پہنچاتے، جب کہ قادیانی اپنے آپ کو کہتے تو مسلمان ہیں، مگر آخری نبی مرزا قادیانی کو مانتے ہیں (نعوذ باللہ!)۔ سر! یہ ہماری ایمانی غیرت کا تقاضا ہے کہ ہم قادیانیوں کا سماجی اور اِقتصادی بائیکاٹ کریں۔“

حماد رَوانی میں بولتا گیا۔

سارے لڑکے مع استاد صاحب کے اسے بغور سنتے رہے۔ حماد خاموش ہوا تو چند لڑکوں نے اپنے ہاتھوں میں تھاما ہوا جوس کا ڈبا واپس میز پر رکھ دیا۔ ان کی دیکھا دیکھی باقی لڑکوں نے بھی جوس کے ڈبے میز پر رکھ دیے۔

”بیٹا! آپ کی سب باتیں درست ہیں اور آپ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ بلاشبہ یہ ہماری اور اِنتظامیہ کی کوتاہی ہے کہ ہم نے اس بات کی طرف توجہ نہیں دی۔“

سر نے حماد کی پیٹھ تھپتھپائی۔

”آپ کے والدین بھی بلاشبہ تعریف کے لائق ہیں کہ انھوں نے آپ کی اچھی تربیت کی۔ آج یہاں پر موجود ہم سب مل کر یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم تمام قادیانی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کریں گے۔ یہ ہماری دینی حمیت وغیرت کا تقاضا بھی ہے اور اِیمان کا حصہ بھی۔“

سر نے کہا تو حماد مسکرانے لگا۔

# مور پنکھ

حمیرا علیم۔ کوئٹہ

"اماں! میں یہ مور کا پنکھ اپنی کتاب میں رکھوں گی تو یہ بڑا ہوجائے گا نا!" عاتکہ نے والدہ سے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا تو والدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں میرا بچہ! ایسا نہیں ہوتا۔ یہ تو سب جھوٹ ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ ٹوٹا ہوا پَر کیسے بڑا ہوسکتا ہے۔ یہ سب تو بچوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔"

"اچھا تو یہ اتنا ہی رہے گا؟" عاتکہ نے مایوسی سے کہا۔ "میری دوست تو کہہ رہی تھی کہ اگر میری دعا پوری ہونی ہوگی تو یہ ضرور بڑا ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ میری دعا پوری نہیں ہوگی۔"

"ادھر آؤ میرا بیٹا! دعائیں ایسے تھوڑی پوری ہوتی ہیں۔"

اماں نے اسے گود میں بٹھاتے ہوئے پیار کیا اور سمجھانے لگیں:

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب بھی میرا بندہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں، اس لیے ہمیں جب بھی کوئی چیز چاہیے ہوتی ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے ہی مانگتے ہیں۔"

"اماں! مانگتی تو میں بھی اللہ سے ہی ہوں، پَر میری دعا پوری ہی نہیں ہوتی۔" عاتکہ نے افسردگی سے کہا تو اَماں بولیں:

"نہ میرا بچہ! ایسے نہیں کہتے۔ ہمارا کام ہے مانگنا اور رَب کا کام ہے دینا۔ جب ہم بازار جاتے ہیں تو کبھی کسی بھکاری کو دیکھا ہے، کیسے وہ پیچھے ہی پڑ جاتا ہے اور جب تک بھیک نہ لے لے چھوڑتا ہی نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح ہمیں بھی اللہ تعالیٰ سے اس وقت تک مانگتے رہنا چاہیے جب تک کہ ہماری دعا قبول نہ ہوجائے۔"

"مگر اماں! ہماری ساری دعائیں پوری کیوں نہیں ہوتیں؟"

عاتکہ نے معصومیت سے سوال کیا تو اماں بولیں:

"دیکھو بیٹا! اللہ تعالیٰ تین طریقے سے دعائیں پوری فرماتے ہیں۔ ایک تو یوں کہ وہی دعا پوری ہوجاتی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ اس کے بدلے میں کوئی مصیبت ٹل جاتی ہے اور تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے آخرت کے لیے محفوظ کر لیتے ہیں اور اُس کے بدلے میں ہمیں جنت میں بہت ہی بہتر چیز عطا فرمائیں گے۔ نبی ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ جنت میں کیا کچھ ملے گا تو ہم خواہش کریں کہ ہماری ساری دعائیں جنت کے لیے محفوظ کر لی جاتیں۔

دوسری وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ ایک چیز ہمیں اپنے لیے بہتر لگتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ وہ بہتر نہیں، اس لیے ہمیں نہیں ملتی۔ یا بعض اوقات ہم کسی کے لیے کوئی بُری چیز چاہتے ہیں تو وہ دعا بھی پوری نہیں ہوتی، اس لیے سب کے لیے ہمیشہ اچھی چیز ہی مانگنی چاہیے۔ ویسے بھی مسلمان جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرتا ہے۔ آیا سمجھ میں میری گڑیا کی؟"

عاتکہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا:

"جی میری پیاری اماں! آ گیا سمجھ میں کہ دعا مانگتے رہنا ہے اور اگر جلدی پوری نہ ہو تو مایوس نہیں ہونا۔ دعا پوری نہ ہو تو آخرت میں بدلے کی امید رکھنی ہے اور سب کے لیے دعا مانگنی ہے۔"

"شاباش! میری پیاری بیٹی! بہت سمجھ دار ہے میری بیٹی۔ چلو، اب اسکول کا کام کرلو، میں بھی ذرا باورچی خانہ دیکھ لوں۔"

یہ کہہ کر اَماں تو باورچی خانے میں چلی گئیں، جب کہ عاتکہ اسکول کا کام کرنے لگی۔

# قرآن مجید کے حقوق ۲

خنساء محمد جاوید۔ لاہور

صبا بیگم نے پانی کا گلاس ساتھ رکھی میز پر رکھ کر دوبارہ گفتگو کا آغاز کیا:

”بیٹا علی! قرآن مجید کے پانچ حقوق ہے۔ آپ میرے ساتھ ساتھ دہراؤ۔

ا۔ قرآن مجید پر اِیمان

۲۔ قرآن مجید کی تلاوت

۳۔ قرآن مجید کو سمجھنا

۴۔ قرآن مجید پر عمل کرنا

۵۔ قرآن مجید کے احکام کی تبلیغ اور اِشاعت کرنا۔“

صبا بیگم نے انگلیوں کے اشاروں سے بتایا تو علی نے بھی ان کے پیچھے پیچھے اپنی انگلیاں کھولیں اور دُہرایا۔

”چلو علی! اب ہم انھیں ایک ایک کر کے تفصیل سے سمجھتے ہیں۔“

صبا بیگم کی بات سن کر علی نے اثبات میں سر ہلا دِیا۔

”قرآن مجید پر اِیمان کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہم قرآن پاک پر اِیمان لائیں۔ یہ بات ایمان کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۵ میں ارشاد فرماتے ہیں، جس کا مفہوم ہے:

’رسول ایمان لائے اس پر جو اُن کے رب کے پاس سے ان پر اُترا اور اِیمان والے سب لوگوں نے مانا اللہ تعالیٰ کو، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں کو۔‘

آپ مجھ سے پوچھتے تھے نا کہ میں روزانہ رات کو کون سی دو آیتوں کی تلاوت کرتی ہوں تو میں سورۂ بقرہ کی انھیں دو آیتوں کی تلاوت کرتی ہوں۔

خیر، قرآن پاک پر اِیمان لائیں بغیر ہم مسلمان یا ایمان والے نہیں ہو سکتے، یہ ہمارے ایمان کے بنیادی ستونوں میں سے ہے، جن کے ذریعے ہماری ایمان کی عمارت قائم ہے۔ اس عمارت میں وہی مسلمان رہتا ہے جو

اِیمان کی بنیادوں کو سچے دل سے مانے اور اُن کی پیروی، یعنی عمل کرے۔

علی بیٹا! آپ نے ایمانِ مفصل میں بھی پڑھا ہوگا کہ میں ایمان لایا اللہ پر اور اُس کی کتابوں پر۔“

”ارے ہاں، مجھے یاد آ گیا!“ علی نے چونکتے ہوئے کہا تو صبا بیگم مسکرا دیں۔

”خیر، ہماری بات چل رہی تھی قرآن پاک پر اِیمان لانے کے حوالے سے، لیکن علی! ہمارا صرف قرآن پاک پر ہی ایمان نہیں ہونا چاہیے، بل کہ تمام آسمانی کتابوں، یعنی آسمان سے نازل کردہ تمام کتابوں پر اِیمان ہونا لازمی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے

انبیائے کرام علیہم السلام پر اُن کی قوموں کی ہدایت کے لیے نازل فرمائی تھیں۔‘‘

’’لیکن اماں! وہ تو صرف چار ہیں نا؟‘‘

’’نہیں بیٹے! وہ صرف چار نہیں ہیں، بل کہ زیادہ ہیں۔ آپ جن چار آسمانی کتابوں کی بات کر رہے ہیں ان کے علاوہ بھی اور آسمانی کتابیں ہیں۔

اچھا علی! کیا آپ کو اُن چاروں آسمانی کتابوں کے نام معلوم ہیں؟‘‘ صبا بیگم نے علی سے پوچھا۔

’’جی امی! مجھے ان کے نام معلوم ہیں، میں آپ کو بتاتا ہوں:

۱۔ توریت ۲۔ زبور۔

۳۔ انجیل ۴۔ قرآن مجید۔‘‘

’’ماشاءاللہ! بہت خوب!‘‘

صبا بیگم نے خوشی سے کہا تو علی کا چہرہ کھل اٹھا۔

......(جاری ہے)......

# ٹیکنالوجی

فہیمہ بنت احمد۔ کراچی

اچھے بچو! یہ زمانہ ٹیکنالوجی کا زمانہ اور جدید دَور ہے۔ اس جدید دور میں آج کل ہم بچے اپنے امی ابو کے زمانے کے کھیلوں کو بھولتے جا رہے ہیں۔

اگر آپ چند سال پہلے کا جائزہ لیں تو اُس وقت حالات ایسے نہیں تھے، لیکن آج کل ہم بچے ٹیکنالوجی میں ہی اپنے دوست ڈھونڈتے ہیں۔ اس ٹیکنالوجی میں ٹچ موبائل، ٹیبلیٹ، آئی پیڈ اور آئی فون ہی ہم بچوں کے قریبی دوست ہو گئے ہیں۔

دیکھا جائے تو ہمیں ان چیزوں سے کئی معاملات میں آسانی بھی ہے، جیسے پڑھائی وغیرہ میں، لیکن ہم نے تو گویا انھیں ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔ ہم ان چیزوں سے اتنے قریب ہو گئے ہیں کہ صبح آنکھ کھلتے ہی اپنے میسیج چیک کیے بغیر ہمیں چین نہیں آتا۔

پہلے دور میں بچوں کی چھٹیاں ہوتیں تو بچے بچیاں آنگن میں کھیلا کرتے تھے، لیکن آج کل ہم موبائل اور آئی پیڈ وغیرہ میں گیم کھیلتے ہیں۔ صرف یہی نہیں، بل کہ ہمارے دوست بھی ایسے ہی آن لائن گیم کھیلنے والے ہوتے ہیں، حتیٰ کہ ہم ایک دوسرے کو وقت کی ترتیب بتا دیتے ہیں، تاکہ سب مل کر کھیل سکیں۔

پہلے دور میں لڑکے بالے کرکٹ، ہاکی، فٹ بال، جب کہ لڑکیاں آنکھ مچولی، چھم چھم وغیرہ کھیلتی نظر آتی تھیں، لیکن اب ان سب کی جگہ موبائل اور آئی پیڈ نے لے لی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ٹیکنالوجی سے ترقی ضرور ہوئی ہے، لیکن ہم بچوں نے اپنا سب کچھ اسے ہی مان لیا ہے جو کہ ایک خطرناک بات کی ابتدا ہے۔

لیکن اب بھی دیر نہیں ہوئی ہے، ہمیں چاہیے کہ اپنا وقت والدین کے ساتھ گزاریں، دوبارہ پرانے کھیلوں کی طرف آئیں، تاکہ ہم جسمانی اور ذہنی، دونوں طرح صحت مند رہیں اور اِس طرح صحت مند معاشرہ تشکیل پا سکے۔

# اُڑان

حافظہ سعدیہ جبین۔ اسلام آباد

’’ٹن ٹن ٹن!‘‘

جیسے ہی چھٹی کی گھنٹی بجی، افشاں ننھے کندھوں پر بستہ لٹکائے قطار میں شامل ہو گئی۔ اسکول سے گھر تک آتے اچھلتے کودتے ننھے دماغ میں بہت کچھ گھومتا رہا کہ ’’گھر پہنچ کر ڈنڈا اُٹھانا ہے اور پودوں کی پٹائی کرنی ہے، وغیرہ۔‘‘

افشاں کو اُستانی بننے کا بہت شوق تھا۔ وہ اپنی استانی کی ہر بات دھیان سے سنتی اور گھر آ کر اُسی طرح کیاریوں، گملوں اور پودوں کے سامنے کھڑے ہو کر بولنے کی کوشش کرتی۔

لیکن گھر پہنچتے ہی سارے خواب مٹی میں مل گئے، کیوں کہ

اس کی خالہ بے چینی سے اس کا اِنتظار کر رہی تھیں۔ انھوں نے فوراً اُس کے کپڑے تبدیل کرنے کے بعد کھانا کھلا کر اُسے اپنے پاس سلا دیا۔

افشاں اپنے ننھیال میں پہلی بچی ہونے کی وجہ سے سب کی لاڈلی تھی اور نانو کا گھر نزدیک ہونے کی وجہ سے زیادہ تر وہیں رہتی تھی۔

کئی دفعہ خالہ کے سوجانے کے بعد اٹھ کر ڈنڈا اُٹھا کر پڑھانا شروع کر دیتی۔

ایک مرتبہ افشاں کی خالہ کی آنکھ کھلی اور وہ اسے اپنے پاس نہ پا کر پورے گھر میں ڈھونڈنے کے بعد جب باورچی خانے میں پہنچیں تو حیرانی سے افشاں کو دیکھنے لگیں اور پوچھا:

''یہ کیا ہے؟''

افشاں پورے باورچی خانے میں ڈونگے پھیلائے سب برتنوں میں تھوڑا تھوڑا سالن ڈال کر بیٹھی ہوئی تھی اور معصومانہ انداز میں ہر ایک ڈونگے کو ہاتھ لگا کر یہ نانا ابو کا، یہ بڑے ماموں کا، یہ چھوٹے ماموں کا، یہ نانو کا، کر رہی تھی۔

افشاں کی یہ حرکت دیکھ کر خالہ جان کو ہنسی آئی اور اُس کی اس معصوم سی حرکت پر اُنھیں بہت پیار بھی آیا۔

وقت گزرتا رہا۔ آہستہ آہستہ افشاں کے دونوں ماموں کی شادی ہوگئی اور پھر جن خالہ کی وہ سب سے لاڈلی تھی وہ خالہ بھی اپنے گھر کی ہوگئیں۔ اب افشاں اپنے والدین کے پاس ہی رہنے لگی۔

افشاں نے پانچویں جماعت میں برقع لینے کی خواہش کی۔ اس کے والد صاحب نے انکار کرنے بجائے برقع دلوا دیا۔ وہ بہت خوش تھی، اب وہ برقع پہن کے اسکول جاتی تھی۔ برقع پہن کر کبھی چلتے چلتے ہوا میں ہاتھوں کی انگلیوں سے لکھنا شروع کر دیتی، کبھی نانی کے گھر جاتے چھوٹے بھائی کے ساتھ بھاگنا شروع کر دیتی۔

جہاں یہ معصوم پری اپنی خوش اخلاق طبیعت کی وجہ سے اساتذہ اور باقی لوگوں کی آنکھوں کا تارا تھی، وہیں کچھ خواتین اکثر اَفشاں کے عبایا پر طنز بھی کرتیں کہ بچی کو اَبھی سے بی اماں بنا دیا۔ کچھ ہم جماعت بھی استہزاء کرتی نظر آتیں۔

اکثر جب وہ اسکول سے گھر آتی تو ماں کے سامنے رو دیتی کہ سب سہیلیاں میرا مذاق اڑاتی ہیں۔ والدہ اسے سمجھاتی ہیں کہ کوئی بات نہیں، جب ہم کوئی اچھا کام کرتے ہیں تو شیطان کسی نہ کسی طرح ہمیں پریشان کرتا ہے۔ افشاں کو ماں کی باتوں سے بہت حوصلہ ملتا۔

یوں ہی دن گزرتے ہیں۔ افشاں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ گھر میں سب سے بڑی ہونے کی وجہ سے ماں کی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے اب ساری ذمے داری افشاں پر تھی۔ افشاں کو رَب کی ذات پر یقین تھا کہ والدہ صحت یاب ہوجائیں گی اور یہ دن بھی گزر جائیں گے۔

افشاں کے والد سی۔ ڈی۔ اے میں ملازم تھے۔ قرعہ اندازی میں حج کے لیے ان کا نام نکلا تو اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ افشاں بھی ان کے ساتھ جائے گی۔

مالی حالات تو اللہ پاک کے کرم سے اچھے تھے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کیا اور حج سے واپسی پر اُس نے مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے والدین نے بھی اس کا ساتھ دیا اور وہ مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کرنے لگی۔ پڑھائی کے دوران میں اکثر مشکلات کا سامنا بھی ہوا، پَر ماں کی باتیں بہت حوصلہ دیتیں۔

مدرسے میں پہلے دن ہی ایک سہیلی بن گئی۔ پڑھائی کا سلسلہ جاری رہا۔ دونوں سہیلیاں پڑھائی میں ایک دوسرے کی خوب مدد کرتیں اور نیک کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتیں۔

پھر وقت آیا اور اَفشاں کی پڑھائی مکمل ہوئی۔ وہ مدرسے سے جب گھر آئی تو بہت سی اَن مول یادیں وہاں چھوڑ آئی۔

کچھ عرصے بعد مدرسے کی ناظمہ صاحبہ کی کال آئی، حال احوال دریافت کرنے کے بعد اَفشاں کو اُس کے مقصد کی یاد دِہانی کرواتے ہوئے اپنے علاقے میں دین کی خدمت کرنے کا کہا۔ افشاں اپنے عزم کی تجدید کرتے ہوئے خوش گوار اِحساس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنی منزل کی طرف قدم بڑھانے اور اُسے ہر ممکن کام یابی سے ہم کنار کرنے کے لیے ہمت مجتمع کرتے ہوئے اس نے اپنے رب سے دعا مانگی اور اپنے کام میں مگن ہوگئی۔

# میرے ابو

حافظہ مسفرہ محمد جنید۔ لیول 1، گلشن سیکنڈری

سارہ نے گھر میں داخل ہوتے ہی بلند آواز سے سلام کیا۔ آج وہ بہت خوش تھی اور کیوں نہ ہوتی، آج اس کے حفظ قرآن مجید کی تکمیل ہوئی تھی۔ اسے قرآن مکمل کرنے کی بہت خوشی تھی۔ اس نے اپنے بڑے بھائی عیان کو بھی کسی کو بتانے سے منع کر دیا تھا، کیوں کہ یہ خوش خبری وہ خود ابو کو سُنا کر عمرے پر جانے کا وعدہ یاد دِلانا چاہتی تھی، لیکن جیسے ہی سارہ کی نظر کرسی پر بیٹھے اپنے ابو کی طرف اٹھی، وہ اداس ہوگئی۔ وہ ٹی۔ وی دیکھنے میں مصروف تھے۔ انھوں نے اس کا سلام تک نہیں سنا تھا، جواب کیسے دیتے۔ وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

سارہ کی ساری رات کروٹیں بدلتے گزری۔ اسے فکر مند کرنے والی اس کی بہت اچھی سہیلی علینہ تھی اور اُسے معلوم تھا کہ سارہ کا قرآن مکمل ہوتے ہی یہ لوگ عمرے پر جائیں گے، اسی لیے کچھ دن پہلے اسے سمجھانے بیٹھ گئی تھی:

''سارہ! تمھارے ابو کی داڑھی تو ہے نہیں، وہ کس طرح روضۂ رسول ﷺ پر حاضری دیں گے؟''

''تو کیا ہوا؟ داڑھی نہیں ہے میرے ابو کی، ہم مسلمان تو ہیں نا! نماز پڑھتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں۔''

''دیکھو سارہ! اس میں غصہ کرنے کی کوئی بات نہیں۔ داڑھی ہمارے نبی ﷺ کی سنت ہے اور سنت سے منہ موڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔ داڑھی منڈوانے والا شخص جب حضور ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوگا تو آپ ﷺ کو کتنا دکھ ہوگا، ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت سے ممتاز کرنے کے لیے اس کے چہرے پر یہ زینت سجائی ہے۔ میری پیاری سہیلی! تم اللہ سے دعا کرو، دعا میں بہت طاقت ہے۔''

علینہ کی باتوں نے سارہ پر بہت اثر کیا تھا، اسی لیے اب وہ اپنے ابو کو دیکھتے ہی بہت شرمندگی محسوس کرنے لگتی تھی۔ وہ اپنے ابو کو کچھ کہنے سے قاصر تھی۔ بہر حال، آج اس نے ایک فیصلہ کر ہی لیا تھا۔ آج وہ صبح تہجد میں ہی بیدار ہوگئی اور نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگی۔ دعا کے دوران میں اس کے آنسو نکل رہے تھے۔ وہ جہنم کا تصور کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی نافرمانی کی وجہ سے اس میں دھکیلے جا رہے ہوں اور ساتھ اس کے پیارے ابو بھی!

''نہیں!'' اچانک اس کے منہ سے ایک سسکی نکلی۔

اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی کہ فجر کی نماز پڑھ کر نہیں سوئے گی۔ وہ اٹھ کر بیٹھک میں آ کر بیٹھ گئی۔ جیسے ہی اس نے ملازم کو ''شیونگ مگ'' میں گرم پانی لے جاتے ہوئے دیکھا وہ دوڑتی ہوئی غسل خانے میں اپنے ابو کے پاس گئی، جو بیسن پر کھڑے شیو کر رہے تھے اور کہا:

''ابو جی!'' وہ ایک دم چونکے۔

''ابو جی! میں یہ کٹورا لائی ہوں۔''

''کیوں بیٹا! کٹورے کا غسل خانے میں کیا کام؟''

''ابو جی! آپ روزانہ شیو کرتے ہیں نا! تو داڑھی کے بال اس میں رکھ دیا کریں، کیوں کہ داڑھی ہمارے نبی ﷺ کی سنت ہے اور ہم مسلمان ہیں، ہمارے ہی ہاتھوں داڑھی کی بے حرمتی ہونا بہت بڑا جرم ہے اور بڑی بے ادبی ہے کہ یہ بال گٹر میں چلے جاتے ہیں، گٹر تو ناپاک ہوتا ہے نا!''

وہ کہتی ہوئی واپس چلی گئی۔ کچھ دن بعد وہ مدرسے جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی تو اُس کے ابو اُس کے کمرے میں آئے اور بولے:

''بیٹا! اگلے ہفتے ہم لوگ عمرے پر جا رہے ہیں اور ہاں، میں نے وہ ٹی۔ وی بھی توڑ کر پھنکوا دیا ہے۔''

عمرے پر جانے سے زیادہ خوشی اسے اپنی قبول ہوتی دعا، ابو کی

البدر ہائیر سیکنڈری اسکول کے لکھاری

بڑھتی ہوئی داڑھی اور ٹی۔وی توڑنے کی خبر سے ہوئی۔اس خوشی میں وہ اپنے ابو کے سینے پر سر رکھ کر رو دِی:

''ابو جی! میں آج علینہ کو بتاؤں گی کہ اب میرے ابو بھی سنت کے پابند بن گئے ہیں۔''

اور ابو اپنی چھوٹی سی بیٹی کا کھلتا ہوا چہرہ دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھے۔

# لاپرواہی

فاطمہ الزہرہ، ششم سی، گلشن سیکنڈری

عبداللہ ایک غیر ذمے دار لڑکا تھا۔اس کے محلے میں ایک صاف ستھرا باغ تھا۔آج عبداللہ نے جھولا جھولنے کے بعد مزے مزے سے آئس کریم کھا کر اُس کا کچرا وہیں باغ میں پھینک دیا۔

چوں کہ دوسرے دن اسے اسکول جانا تھا، اس لیے وہ اسکول کی تیاری کر کے نرم گرم بستر میں گھس کر نیند کی آغوش میں چلا گیا۔معلوم نہیں رات کے کس پہر اُس کی آنکھ کھل گئی۔

اسے ہر طرف سے طرح طرح کی آوازیں آ رہی تھیں:

''اٹھو عبداللہ! ہمارے ساتھ چلو۔ہم تمھیں لینے آئے ہیں۔'' ڈر کے مارے عبداللہ کی گھگی بندھ گئی۔ڈرتے ڈرتے اس نے پوچھا:

''تم لوگ......کک......کون......ہو؟'' پھر اُس نے غور سے دیکھا تو بڑی بڑی جسامت کے کیڑے مکوڑے، لال بیگ اور معلوم نہیں کون کون سے خطرناک کیڑے اس کی جانب بڑھ رہے تھے۔

''آؤ عبداللہ! ہمیں اور آئس کریم کھلاؤ۔اس کاغذ میں تو بہت کم آئس کریم لگی ہوئی تھی۔'' ایک لال بیگ نے کہا۔

عبداللہ نے ہمت کر کے کہا:

''بھاگو تم سب، میں تمھیں نہیں جانتا۔تم سب میرے کمرے سے نکل جاؤ۔مجھے معاف کر دو۔میں اب کسی بھی جگہ کو گندا نہیں کروں گا۔''

جیسے ہی عبداللہ نے معافی مانگی تمام خوف ناک کیڑے واپسی کے لیے مڑ گئے، مگر جب عبداللہ دوبارہ بستر پر لیٹنے لگا تو چھوٹے چھوٹے لال بیگ اور چیونٹیاں، سب اس پر چڑھنے لگے۔عبداللہ نے زور سے چیخ ماری تو وہ حقیقت کی دنیا میں واپس آ گیا۔

''اوہ! یہ تو ایک ڈراؤنا خواب تھا۔'' عبداللہ نے شکر ادا کیا۔عبداللہ کو خیال آیا کہ یہ سب باغ میں کچرا پھینکنے کا نتیجہ تھا۔اس نے دل میں عہد کیا کہ وہ اب صفائی کا خیال رکھے گا، کیوں کہ گندگی سے ہر طرف بیماریاں پھیلتی ہیں اور کیڑے مکوڑوں بھی پیدا ہوتے ہیں۔اس نے سب سے اپنا کمرا صاف کیا اور تمام چیزیں سلیقے سے ان کی جگہ پر رکھیں۔

عبداللہ اب صفائی کا بہت خیال رکھتا ہے۔

# میرا بھالو

محمد ایوب اختر۔ لیاقت پور

بچو! یہ ہے میرا بھالو
لگتا ہے یہ موٹا آلو

بازو اس کے چھوٹے چھوٹے
پاؤں اس کے موٹے موٹے

نام رکھا ہے اس کا موٹو
کہتا ہوں میں پیار سے چھوٹو

قد کا جیسے چھوٹا ہے یہ
عقل کا بھی کچھ موٹا ہے یہ

سونے سے ہے اس کو رغبت
ایسی ہے کچھ اس کی عادت

دن بھر گرتا رہتا ہے یہ
تن پر چوٹیں سہتا ہے یہ

کام نہیں یہ کچھ بھی کرتا
تب ہی تو بھوکا ہے مرتا

# قوم کا معمار

مفتی محمد معاویہ اسماعیل۔ مخدوم پور

شایان اور عنایت، دونوں گہرے دوست ہونے کے ساتھ ساتھ پڑوسی بھی تھے اور ایک ہی کالج میں طب کے آخری سال کے طالب علم تھے۔ سالانہ امتحان کے بعد اُنھوں نے گھومنے پھرنے کا منصوبہ بنایا۔ ہر سال وہ منصوبہ بناتے تھے،لیکن امتحان ختم ہوتے ہی وہ ایسے مصروف ہوتے کہ چند دِن کی چھٹیاں انھی مصروفیات میں نکل جاتی تھیں،مگر اِس مرتبہ ان کا بھرپور عزم تھا کہ کچھ بھی ہوجائے ہر حال میں وہ سیر کو جائیں گے اور اِس کے لیے انھوں نے ایک پوش پہاڑی علاقے ''شاہ پور'' کا انتخاب کیا تھا۔

یہ ایک بہت بڑا علاقہ تھا، جو کہ خوب صورت سرسبز پہاڑیوں، بڑی بڑی نہروں اور متعدد دَریاؤں سے مزین تھا۔ وہ خوب صورتی، جو کئی مختلف علاقوں میں پائی جاتی تھی، وہ ساری کی ساری قدرت نے شاہ پور میں جمع کردی تھی۔ اس کے قدرتی حسن کے چرچے وہ عرصہ دراز سے سنتے آرہے تھے اور وہاں کی سیر کا اُنھیں بے پناہ شوق تھا۔ وہاں کی ایک عجیب بات یہ بھی تھی کہ پوش پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے وہاں موبائل بھی کام نہیں کرتا تھا اور اِتفاق سے وہاں بجلی اور ٹیلی فون کا انتظام بھی نہیں تھا۔ روشنی کے لیے وہاں کے لوگ قدرتی چیزوں سے مدد لیتے تھے۔ ان باتوں نے اس علاقے کے حسن کو مزید دوبالا کردیا تھا۔ وہاں پر رہنے والوں سے بات کرنے کی صرف دو ہی صورتیں تھیں، یا تو خط و کتابت یا پھر خود بنفس نفیس ملاقات۔

''شاہ پور'' کی سیر کا لوگ زیادہ تر اِس وجہ سے بھی انتخاب

شدید بھوک کی وجہ سے انھوں نے ایک ہوٹل کا رُخ کیا۔ آدھا کلو کڑاہی گوشت اور چاول اور آخر میں چائے کا کہہ کر وہ مطمئن ہوکر گپ شپ کرنے لگے۔ جلد ہی کھانا آیا گیا۔ انھوں نے ڈٹ کر اور خوب سیر ہوکر کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی بیرا بِل لے کر آپہنچا۔ بِل بھی کوئی زیادہ نہیں تھا۔ بس یہی کوئی تقریباً پچیس سو روپے بنا تھا۔ گپ شپ کرتے کسی بات پر ہنستے ہوئے شایان نے پیسے نکالنے کے لیے جیسے ہی جیب میں ہاتھ ڈالا اس کے چہرے پر یک دم ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ چہرہ زرد پڑنے لگا، جسے اس کے ساتھ بیٹھے اس کے دوست عنایت نے فوراً ہی بھانپ لیا۔

''کیا ہوا!؟'' وہ بھی گھبرا گیا تھا۔ گھبراہٹ کے مارے اس کی آواز بھی بیٹھی بیٹھی لگ رہی تھی۔ پریشانی کے عالم میں شایان کے منہ سے صرف یہی جملہ نکل سکا:

''وہ، وہ مم......میری، میری جج......جج......جیب......''

''کیا ہوا تمھاری جیب کو؟''

''وہ، وہ مم......مم......میری جج......جیب......''

''کیا ہوا تمھاری جیب کو؟ پیسے نہیں ہیں تو میں دے دیتا ہوں۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔'' یہ کہہ کر عنایت نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اُس کا ہاتھ جیب کے اندر ہی رہ گیا اور یک دم اس کا چہرہ بھی زرد پڑ گیا۔ اس کی بھی وہی کیفیت ہوگئی جو چند لمحے قبل شایان کی تھی۔

......☆......

کرتے تھے کہ وہاں بھرپور طریقے سے تفریح کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔ نہ فون ہوتا تھا اور نہ ہی دوسرے جھنجھٹ ہوتے تھے۔ زیادہ تر کاروباری لوگ وہاں آنا پسند کرتے تھے، تاکہ کچھ وقت کے لیے وہ کاروباری دنیا سے الگ ہوکر پُرسکون وقت گزار سکیں۔ اس کا بہترین حل یہی تھا کہ نہ فون ہو اور نہ ہی پیچھے کے کاروباری مسائل، جن سے وہ پہلے ہی بھاگ کر چند دِن سکون سے گزارنے آتے تھے۔

اس مرتبہ کے حتمی فیصلے کے بعد شایان اور عنایت نے امتحان ختم ہونے سے پہلے ہی گھر والوں آگاہ کر دیا تھا کہ اس مرتبہ امتحان کے بعد کوئی دوسری مصروفیت نہیں، بس ہم سیر کرنے جائیں گے۔ دونوں کے والدین بھی راضی ہوگئے تھے۔ آخری پرچے کے دن ہی وہ اپنی گاڑی میں روانہ ہوگئے۔ وہاں ان کا دَس دن رکنے کا ارادہ تھا، جس کے لیے ضرورت کی ہر چیز اُنھوں نے اپنے ساتھ لے لی تھی۔

شام ہونے سے پہلے ہی وہ شاہ پور پہنچ چکے تھے۔ جلد ہی انھوں نے ایک ہوٹل میں رہنے کے لیے بہت ہی صاف ستھرا، ہوا دار، بہترین کمرا بھی کرائے پر لے لیا اور اپنا سامان لا کر کمرے میں رکھ دیا۔

روزانہ وہ کسی نہ کسی طرف گاڑی میں نکل جاتے۔

شاہ پور اگرچہ پہاڑیوں سے ڈھکا ہوا ایک بہت بڑا شہر نما قصبہ تھا اور یہاں ہر طرف جانے کے لیے سڑکیں ہی سڑکیں تھیں، البتہ شاہ پور کا ایک علاقہ ایسا تھا کہ جہاں گاڑی لے جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہاں جانے کے لیے پیدل ہی جانا پڑتا تھا۔ پیدل بھی ہمت والے لوگ ہی جاتے تھے، ورنہ اکثر لوگ باقی علاقوں کی سیر کر کے واپس چلے جاتے تھے۔

شایان اور عنایت نے بھی وہاں جانے کا فیصلہ کیا تھا کہ ہر حال میں وہاں کی سیر کر کے آئیں گے، البتہ انھوں نے یہ بھی طے کیا تھا کہ آخری دن وہاں کا چکر لگائیں گے، پھر اُس کے بعد واپسی کے لیے رختِ سفر باندھیں گے۔

آج ان کا شاہ پور کی سیر کا دسواں دن تھا۔ ان دس دنوں میں انھوں نے دل کھول کر خرچا بھی کیا تھا اور سیر بھی کی تھی۔ شاہ پور، جیسا انھوں نے سن رکھا تھا، اس سے بھی بڑھ کر پایا تھا۔ یہاں کا رہن سہن بہت ہی سادہ تھا۔ ہر چیز قدرتی انداز سے میسر تھی۔ کوئی چیز بھی مصنوعی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہر طرف قدرت کا ہی حسن بکھرا ہوا تھا۔ یہ دس دن انھوں نے بہت مزے کیے تھے اور اَبھی کل ہی یا زیادہ سے زیادہ اس سے اگلے دن انھیں واپس جانا تھا۔

آج ان کا دسواں دن تھا اور طے شدہ منصوبے کے تحت آج انھیں اس علاقے کا رُخ کرنا تھا، جہاں پیدل جانا پڑتا تھا، لہٰذا اُنھوں نے صبح منہ اندھیرے ہی ضرورت کی ہر

چیز کو چیک کیا۔ کمرے کو تالا لگایا گیا اور اُس راستے پر روانہ ہو گئے۔ ہلکا پھلکا کھانے پینے کا سامان انھوں نے ساتھ لے لیا تھا کہ پتا نہیں کتنی دیر میں وہاں پہنچیں۔

کہنے والوں نے کہا تھا کہ وہاں کا سفر تقریباً پیدل تین گھنٹے کا ہے۔ وہ چلتے چلتے کافی تھک چکے تھے، کیوں کہ انھوں نے اس سے پہلے کبھی ایک ساتھ اتنا لمبا سفر پیدل نہیں کیا تھا۔ بہر حال، اٹھتے بیٹھتے، رکتے چلتے، وہ آخر کار تین چار گھنٹے میں وہاں پہنچ گئے۔ ایک ہوٹل میں تھوڑی دیر آرام کیا۔ آرام کے بعد وہ گھومنے نکل گئے۔ گھومتے پھرتے انھیں کافی دیر ہو گئی تو اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ رات یہیں ٹھہرا جائے۔ صبح واپس اپنے ہوٹل جائیں گے، پھر وہاں سے گھر کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ ویسے بھی آتے ہوئے وہ ہوٹل والوں کو بتا کر آئے تھے کہ ہم شام تک واپسی کی کوشش تو کریں گے، مگر ممکن ہے ہم نہ آسکیں تو پھر صبح آئیں گے، ان شاء اللہ!

اور ایسا ہی ہوا تھا، وہ شام تک بمشکل اس علاقے کو کسی حد تک دیکھ سکے تھے۔ پیدل چلنے کی وجہ سے وہ کافی تھک بھی گئے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ کسی اچھے سے ہوٹل میں کھانا کھا کر آرام کرتے ہیں۔ صبح واپس ہوٹل کی طرف روانہ ہوں گے۔ یہ فیصلہ کر کے وہ تھکے ہارے ایک بہترین ہوٹل میں داخل ہوئے اور اپنے لیے وہاں کی خاص چکن کڑاھی اور چاول کا کہہ کر دِن بھر کی سیر پر تبصرہ کرنے لگے۔ چند ہی لمحوں میں صاف ستھرے لباس میں ملبوس بیرے ان کے آگے ان کا مطلوبہ کھانا لگانے لگے۔ کھانا آتے ہی وہ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ آخر میں چائے کا دَور چلا۔

کھانے سے فارغ ہو کر بیرے سے بل لانے کا کہا تو وہ چند ہی لمحوں میں بل لے آیا، جو کہ تقریباً پچیس سو روپے تھا۔ کسی بات پر ہنستے ہوئے شایان نے بیرے سے بِل پکڑ کر اُسے دیکھا اور ہنستے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو اُس کا اوپر کا سانس اوپر اَور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس کی جیب کٹ چکی تھی، جس میں اس نے کافی رقم رکھی ہوئی تھی۔ وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

وہ پریشان ہو گیا۔ اسے پریشان دیکھ کر عنایت سمجھا کہ شاید اُس کے پاس پورے پیسے نہیں ہیں۔

''میں دے دیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر عنایت نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اُس کا ہاتھ جیب کے نیچے سے نکل گیا۔ اس کی بھی جیب کٹ چکی تھی۔ اس کا رنگ بھی فق ہو گیا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر بیرا بھانپ گیا اور اُس نے ان دونوں کو فوراً پکڑا اور منیجر کے پاس لے گیا۔

''سر! ان لڑکوں نے کھانا کھایا ہے اور اَب کہہ رہے ہیں کہ ہماری جیب کٹ چکی ہے۔''

ہوٹل کا منیجر غصے سے انھیں گھورنے لگا۔

''ہاں لڑکو! کھانا کھانے سے پہلے سے پیسے چیک تو کر لیتے۔ اب چوری کا بہانہ بنا دیا۔ خود ہی اپنی جیبیں کاٹ کر کھانا کھانے آ گئے کہ آخر میں یہ کہہ کر جان چھڑوا لیں گے کہ جیب کٹ گئی ہے۔ ایسے بہانے باز یہاں آتے رہتے ہیں۔ اب تم تین دن ہوٹل کے برتن دھوؤ گے، اس کے بعد تمھیں جانے کی اجازت ہو گی۔''

''سر! ہماری بات کا یقین کریں، ہم جھوٹ نہیں بول رہے۔ ہم تو خود پریشان ہیں کہ یہ کیسے ہو گیا کہ ہم دنوں کی جیبیں ایک ساتھ کٹ گئیں۔ سر! ہم چھوٹے بچے نہیں ہیں، ہم نے اس سال ایم۔ بی۔ بی۔ ایس۔ کا امتحان دیا ہے۔ الحمد للہ! ہم ڈاکٹر ہیں۔ ہم بھلا ایسی نیچ حرکت کیسے کر سکتے ہیں۔'' عنایت کی باتیں سن کر اور کچھ کچھ ان کے حلیے سے منیجر کو یقین ہونے لگا۔ عنایت نے ہمت کر کے مزید کہا:

''سر! ایسا کریں آپ یہ میرا شناختی کارڈ اور ڈرائیونگ لائسنس رکھ لیں۔ یہ اتفاقاً دوسری جیب میں تھے۔'' عنایت نے دوسری جیب سے شناختی کارڈ اور لائسنس نکال کر منیجر کی طرف بڑھا دیے۔ ''آپ ہمارا یقین کریں، یہ آپ رکھ لیں، کل ہم ان شاء اللہ! آپ کو پیسے دے جائیں گے اور یہ دونوں چیزیں لے جائیں گے۔''

''صاحب! مجھے یہ لوگ سچے لگ رہے ہیں۔ یہ کوئی دھوکے باز نہیں لگتے، ورنہ ایسا کون کرتا ہے۔''

شاید بیرے کو بھی ان کی حالت پر رحم آ گیا تھا، اس لیے وہ بھی ان کی حمایت میں بول پڑا۔

''ایسا کرو، اندر کمرے میں مالک بیٹھے ہیں، ان کے پاس جاؤ، ان سے مل کر بات کر لو۔ جو وہ کہیں گے ہم اس کے پابند ہوں گے۔''

یہ کہہ کر اُس نے دونوں چیزیں بیرے کو تھما دیں اور اُن دونوں کو بھی اس کے ساتھ مالک کے کمرے میں بھیج دیا۔

اندر جا کر اُس بیرے نے مالک کو ساری بات بتلائی تو مالک نے ان کی طرف ایک نظر دیکھا اور بیرے کے ہاتھ سے شناختی کارڈ لے لیا۔

''تم میں سے عنایت ولد رحیم احمد کون ہے؟''

''سر! میں ہوں! یہ میرا کارڈ ہے۔'' عنایت نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو تم دین نگر میں رہتے ہو؟''

''جی سر!''

''دین نگر، محلہ عثمان پورہ، نزد ہائی اسکول۔''

مالک نے کارڈ پر لکھا پورا پتا پڑھا۔ وہ پتا بھی پڑھتا جا رہا تھا اور عنایت کے چہرے کی طرف بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ جیسے کچھ پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

''اچھا عنایت بیٹے! تمھارے گھر کی بیرونی دیوار پر ہرا رنگ ہے اور دروازے کے اوپر کلمہ شریف بھی لکھا ہوا ہے۔''

''جی جی سر! مگر آپ کو کیسے معلوم ہے؟''

اب حیران ہونے کی باری عنایت کی تھی۔ ساتھ ہی شایان

بھی حیرت کے سمندر میں غوطے کھائے جا رہا تھا کہ یہ ہزاروں میل دور اِس جنگل نما علاقے میں رہنے والا شخص عنایت کے گھر کو اِتنی اچھے طرح کیسے جانتا ہے؟

''تمھارے دادا جان کا نام ماسٹر جلیل احمد ہے نا!؟''

اب تو عنایت کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ حیرت سے بے ہوش ہو جائے گا۔

''جج...... جی جی سر! ان کا نام جلیل احمد ہے، مگر آپ انھیں کیسے جانتے ہیں؟ براہِ مہربانی بتائیے نا! میرا تو مارے حیرت کے بُرا حال ہوا جا رہا ہے۔''

''اب وہ کیسے ہیں؟'' ہوٹل کے مالک نے مسکراتے ہوئے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''جی اب تو وہ کافی کمزور اور بوڑھے ہو گئے ہیں۔ بہر حال، پہچان اب بھی الحمدللہ باقی ہے اور بول بھی لیتے ہیں، البتہ بڑھاپے کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے ہیں۔''

یہ سنتے ہی ہوٹل کا مالک کھڑا ہوا اور عنایت کو سینے سے لگا لیا۔

''بیٹے! وہ آپ کے دادا ہیں، مگر میرے استاد ہیں۔''

مالک کی بھرائی ہوئی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔ یہ سن کر عنایت ہونقوں کی طرح اسے گھورتا رہا۔

''جی بیٹا! ماسٹر جلیل احمد صاحب میرے انتہائی شفیق اور محبت کرنے والے استاد تھے۔ میں نے ان کے پاس میٹرک تک پڑھا تھا۔ وہ بہت محنت سے پڑھاتے تھے، مگر مجھے پڑھنے کا بالکل شوق نہیں تھا۔ مجھے کاروبار کرنے کا شوق تھا۔ میں پڑھائی کی بجائے کام کرنا چاہتا تھا، لیکن وہ کہا کرتے تھے:

''بیٹا! تُو پڑھ لکھ لے، بھلے بعد میں کاروبار کر لینا۔ کاروبار کرنے کے لیے بھی تعلیم یافتہ ہونا بہت ضروری ہے۔

بیٹا! اِنھی دنوں میرے والد دُنیا سے رخصت ہو گئے تو میری ماں نے مجھے ایک فیکٹری میں کام پر لگا دیا۔ جب چند دِن میں اسکول نہ گیا تو میرے استادِ محترم میرے گھر آئے۔ میری والدہ سے میری غیر حاضری کا پوچھا تو میری والدہ نے ساری صورتِ حال بتائی۔

حالاں کہ ہمارا گھر دوسرے گاؤں میں کافی دور تھا۔ میں روزانہ اسکول پیدل جاتا تھا، مگر میں حیران ہو گیا، جب میں نے اپنے گھر میں اپنے اتنے بڑے استاد کو دیکھا۔ جلیل صاحب نے میری ماں کو میری پڑھائی کے لیے کہا تو میری ماں نے کہا:

''استاد جی! یہی میرا اور اپنی بہنوں کا سہارا ہے۔ یہ پڑھے گا تو اِس کا خرچہ کہاں سے کروں گی اور بچیوں کو کیسے پالوں گی۔ اسے اب فیکٹری میں لگایا ہے، کچھ کمائے گا تو ہمارا گزر بسر ہوگا۔'' اتنے میں، میں بھی آ گیا۔

عنایت بیٹا! وہ دن آج بھی مجھے یاد ہے۔ اس دن میرے استاد محترم جلیل صاحب نے مجھے ایسے ہی گلے لگایا تھا جیسے آج میں نے تمھیں لگایا۔ جلیل صاحب نے میری والدہ کو کہا کہ ''کل سے یہ اسکول آئے گا اور اِس کا سارا خرچہ میں دوں گا اور اِس کی ایک ماہ کی جتنی تنخواہ فیکٹری سے بنے گی اس سے دگنی میں ہر ماہ آپ کو دیا کروں گا، مگر یہ پڑھے گا۔''

عنایت بیٹا! بس پھر کیا تھا، میں دن رات ایک کر کے پڑھنے لگا۔ میرا میٹرک کا امتحان ہوا تو بورڈ میں میری پہلی پوزیشن آئی۔ اس دن میرے استادِ محترم کو اِتنی خوشی ہوئی کہ ہمارے گھر مٹھائی لے کر آئے اور ہمارے علاقے میں ایسے مٹھائی بانٹی کہ شاید میرے والد زندہ ہوتے تو وہ بھی اتنا نہ کر سکتے۔

بہر حال، اس دن جلیل صاحب نے مجھے باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی اور کہا کہ میرے بیٹے نے پوزیشن لی ہے تو میرا سینہ خوشی سے اور چوڑا ہو گیا۔ جلیل صاحب میری والدہ کو کہنے لگے:

''یہ میرا بیٹا ہے، میں نے سوچا کہ آپ کو اپنے بیٹے کی پوزیشن کی مٹھائی دے آؤں۔ یہ تمھارا نہیں، میرا بیٹا ہے۔''

یہ کہتے ہوئے ارسلان کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ ارسلان صاحب نے عینک اتار کر آنکھیں صاف کیں اور پھر دوبارہ گویا ہوئے:

''اس کے بعد بیٹا! میرا وظیفہ مقرر ہوا اور اُستادِ محترم کی اجازت سے میں باہر پڑھنے چلا گیا۔ فون وغیرہ کا دَور نہیں

تھا۔بس استادمحترم سے خط وکتابت کا سلسلہ کافی عرصہ جاری رہا،مگر پھر یہ بھی آہستہ آہستہ ختم ہوگیا۔میں ایک کام یاب کاروباری بن کر اپنے ملک واپس لوٹا۔اس کے بعد کئی مرتبہ میں نے استادمحترم کو خط لکھ کر اُن سے رابطہ کرنے کی کوشش کی،لیکن ان کی طرف سے جواب نہ آیا۔میں سمجھا کہ شاید وہ دنیا سے رخصت ہوچکے ہوں گے۔بس ان کے لیے دعائیں کرتا رہتا ہوں۔آج جب تمھیں دیکھا تو مجھے احساس ہوا کہ تمھیں یا تم سے ملتا جلتا کوئی شخص میری زندگی میں کافی وقت رہا ہے۔اب بات واضح ہوئی کہ واقعی میری چھٹی حس صحیح تھی۔آپ میرے استادمحترم کے پوتے ہو۔آپ کے ابو کیسے ہیں؟''

تفصیل سے مکمل بات بتانے کے بعد اُرسلان صاحب نے حیرت سے بت بنے عنایت سے سوال کیا۔

''جج......جج جی......جی وہ بھی ٹھیک ہیں۔''

اس کے بعد اُرسلان صاحب نے ان کا کافی اکرام کیا اور اُن سے رات کو ہی وعدہ کرلیا کہ صبح میرے ہیلی کاپٹر پر اِکٹھے ہوٹل چلیں گے۔وہاں سے سامان لے کر پھر آپ کے شہر چلیں گے۔میں اپنے استادمحترم کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

کافی دیر گپ شپ کے بعد اُرسلان صاحب نے انھیں سونے کے لیے ایک بہترین آرائشی کمرے میں بھیج دیا۔

وہ دونوں ابھی تک ہکا بکا تھے کہ کیسے رب نے ان کے لیے انتظام کیا اور عنایت دل ہی دل میں ایک فیصلہ کر چکا تھا۔دادا کی جو بات وہ طویل عرصے سے نہیں مان رہا تھا، وہ چند لمحوں نے اس سے منوالی تھی۔دراصل اس کے دادا اُس سے کہا کرتے تھے:

''بیٹا!ایم۔بی۔بی۔ایس کر کے تم استاد ضرور بننا۔یہ میری نصیحت یاد رکھنا، میں تمھیں طب کی مشق سے نہیں روکتا،مگر اُستاد ضرور بننا۔''

لیکن ایک وہ تھا کہ اسے استاد بننے سے چڑ تھی۔اس کا خیال تھا کہ استاد بننے میں کیا رکھا۔سب کچھ تو طبیب بننے اور علاج معالجے میں ہے۔پیسا، دولت، عزت، شہرت، مگر آج اسے استاد کی اہمیت کا احساس ہوگیا تھا اور پھر وہ ایک عزم کے ساتھ نیند کی وادیوں میں کھوگیا۔

استاد بننے کے عزم کے ساتھ، قوم کا معمار بننے کے عزم کے ساتھ۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

# ذوق و شوق

کراچی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی

کی زیر سرپرستی الحمدللہ گزشتہ ۱۶ برس سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

اس شمارے میں بچوں/بچیوں کے لیے تعلیم، تربیت اور تفریح سے بھرپور مواد ہوتا ہے، جس کا بچوں/بچیوں کو انتظار رہتا ہے۔ یہ رسالہ بچوں کے ادب میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے اور ملک میں شائع ہونے والے بچوں کے رسالوں میں ایک امتیازی شان کا حامل ہے۔

اگر آپ اپنے بچوں/بچیوں کو فی زمانہ چھوٹی بڑی اسکرین سے بچانے کے لیے کسی متبادل کی تلاش میں ہیں تو ماہ نامہ ذوق وشوق کافی حد تک آپ کی امیدوں پر پورا اُتر سکتا ہے۔

اس کے لیے آپ اپنے نام، مکمل ڈاک کے پتے اور جس ماہ سے رسالہ جاری کروانا ہے اس ماہ کا نام لکھ کر صرف پندرہ سو (1500/=) روپے جمع کروائیں اور ہر ماہ ناہ ذوق وشوق گھر بیٹھے حاصل کریں۔


خط وکتاب کا پتا:

ماہ نامہ ذوق وشوق، کراچی

پی۔او۔بکس نمبر: 17984

گلشن اقبال، کراچی۔

پوسٹ کوڈ: 75300

ذوق شوق/Zouq shouq

zouqshouq@hotmail.com


(شمارے کی قیمت بڑھنے کی صورت میں سالانہ خریداری کی رقم میں اضافہ ہوسکتا ہے۔)

سالانہ خریداری کے لیے چار ذرائع سے آپ رقم جمع کرواسکتے ہیں:

**1** منی آرڈر کے ذریعے۔

اس کے لیے ہمارا پتا ہے: ماہ نامہ ذوق وشوق، کراچی، پی۔او۔بکس نمبر: 17984 گلشن اقبال، کراچی۔ پوسٹ کوڈ: 75300

**2** بینک اکاؤنٹ کے ذریعے۔ بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا میزان بینک اکاؤنٹ یہ ہے:

اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm Trust Zouq o Shouq اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456

(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید آپ ہمیں اس نمبر پر (0324-2028753) واٹس ایپ کردیں۔)

**3** دستی۔

دفتر میں آکر رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا پتا ہے: مدرسہ بیت العلم، ST-9E، نزد الحمد مسجد، گلشن اقبال بلاک ۸، کراچی

(نوٹ: دستی رقم جمع کرواتے وقت سالانہ خریداری فارم ضرور پُر کریں۔)

**4** جاز کیش کے ذریعے۔

اپنی سالانہ خریداری کی رقم اس نمبر پر بھیج دیں: 0320-1292426

(نوٹ: رقم جمع کروانے کے بعد اس نمبر پر مطلع کردیں۔)

کوپن برائے
**بلاعنوان** ۱۸۶

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

کوپن برائے
**ذوق معلومات** ۸۵

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

**سوال آدھا جواب آدھا** ۴۱

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

**انعامی سرورق** فروری ۲۰۲۳

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

ہدایات: جوابات ۲۸، فروری ۲۰۲۳ء تک ہمیں موصول ہوجانے چاہییں ...... ☆ ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا......

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔